خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ

دفاعِ اہلِ حق



تصنیف: یاسر فاروق

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

دفاعِ اہلِ حق



تصنیف: یاسر فاروق

یہ کتاب آن لائن نشر کی گئی ہے۔اس کو کوئی بھی ادارہ 'خیر الناس من ینفع الناس' کے تحت طبع کر سکتا ہے۔

سالِ نشر: مارچ،2020ء

رابطہ نمبر: 0332-4518131

فہرست

فاتحہ

رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَ تَمِّمْ بِالْخَیْرِ وَبِكَ أَسْتَعِیْنُ یَا فَتَّاحُ!

اللہ رب العزت کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اور اس سے بڑھ کر یہ انعام فرمایا کہ ہم دین اسلام کا مطلب اور اس کے تقاضوں اور لوازمات کو جانتے ہیں، نیز کامل مسلمان ''جس کے ہاتھ و زبان سے دیگر مسلمان محفوظ ہوں'' بننے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔

پیشِ نظر موضوع انتہائی وقیع اور اہم ہے جسے لوگوں کے سامنے لانا بہت ضروری ہے۔ درحقیقت اس کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ عوام کو یہ اچھے طریقے سے سمجھایا جائے اور وہ امت پر مرتب ہونے والے اس کے اثرات کو پہچان لیں، نیز اس مضمون کے مندرجات سے آگاہ ہوجائیں تاکہ وہ اس میں غلطی سے بھی داخل نہ ہوں۔ کیونکہ یہ آگ کی مانند ہے جسے اگر جلانے کو کچھ نہ ملے تو اپنے ہی حصوں کو کھا جاتی ہے۔اس عنوان اور مضمون سے آگاہی اور راہنمائی عوام الناس و طلبۂ علم کے لیے اس لیے بھی ضروری ہے کہ دشمنِ دین، لادینیت اور لامذہبیت پھیلانے میں اس طرح کا طرزِ عمل لوگوں میں عام کرنے کی سعیِ باطل کررہاہے اور حد سے تجاوز کرچکا ہے۔

یہ موضوع ''علماء کی تحقیر، اس کے اسباب، معاشرے پر اس کے خطرناک اثرات اور ہمارے طرزِ عمل'' سے متعلق ہے جس میں اہلِ علم کی حرمت و تقدیس کے تقاضے اور ہمارے کردار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فی زمانہ علماء کی شان وشوکت، عزت وتقدیس، ان کی عظمت و رفعت اور حق گوئی جیسی صفات پر لوگوں نے انگلیاں اٹھانی شروع کردی ہیں۔حالانکہ مقصود

ومطلوب یہ تھا کہ علمائے حقہ پر اٹھائے جانے والے ان اعتراضات کا قلع قمع کیا جاتا اور لوگوں کو اس قسم کے طرزِ عمل سے روکا جاتا کہ وہ علماء کی ہرگز تحقیر نہ کریں اور نہ ہی ان کی عزتوں سے کھیلیں۔ اس سب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جب کتب کی طرف مراجعت کی تو انتہائی حیرت ہوئی جب اس مضمون پر کوئی تحریر یا علمی نوشتہ دستیاب نہ ہوا۔ یہ سوچ کر بہت ہی افسوس ہوا کہ علماء نے اس قدر اہم عنوان سے کس طرح صرفِ نظر کیے رکھا۔

راقم الحروف ابھی یہ غور وفکر کر رہا تھا کہ کچھ واقعات ایسے رونما ہوئے کہ جن سے یہ ارادہ عزمِ مصمم میں بدل گیا کہ اب اس پر کچھ نہ کچھ ضرور تحریر کیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ اس سے مختلف موضوعات پر بات ہوئی، جن میں اکثر عقیدے و منہج سے متعلقہ تھے۔ وہ نوجوان کسی اعلیٰ تعلیمی ادارے میں زیرِ تعلیم تھا لیکن اس کی قابلیت ابتدائی طور پر کافی متاثر کن تھی۔ دورانِ تبادلہ خیال گفتگو انتہائی حساس موضوع کی طرف چل نکلی۔ میری اس وقت حیرت کی انتہاء نہ رہی جب میں نے دیکھا اور سنا کہ وہ حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کی باتیں کرنے لگا۔ بلکہ بڑھتے بڑھتے بات یہاں تک جا پہنچی کہ اس نے کبار علمائے عرب وعجم بلکہ معاصر پاکستانی علماء ومشائخ کو بھی فاسق وفاجر کہنا شروع کردیا اور ان کو آئمۂ مضلّین کہنے لگا۔ اعاذ نا اللہ منہ۔ بتوفیق الٰہی مجھ سے جو ہو سکا اس کے اعتراضات کے جوابات دیے اور اس کو عقیدے و منہج کی متفقہ ابحاث سے روشناس کرایا۔ بعدازاں اس کو وہ نصیحتیں کیں جو ہمیں ہمارے اساتذہ ومشائخ نے دورانِ تعلیم کی تھیں بلکہ جنہیں علماء نے اپنی شہرہ آفاق کتب میں درج بھی کیا ہے۔ بالخصوص شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے وہ نوادر اقوال جن سے اس فکر کا قلع قمع ہوتا ہے۔ وللہ الحمد

یوں اس نوجوان کے ذہن میں بھڑکتے شعلوں کو، جو علماء کی عزتوں اور ان کے علم وعمل کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھے، قدرے کم کرنے کی سعادت ملی۔ دوسرا دور اس قسم کے واقعات کا تب شروع ہوا جب کچھ سنجیدہ اور ہوش مند لوگ جو نیک نامی میں بھی معروف

ہیں، ان کی کلام سننے کا اکثر موقع ملتا رہا اور وہ بھی مختلف مناسبتوں سے ملتے رہے لیکن اس وقت بہت زیادہ افسوس ہوا جب میں نے محسوس کیا کہ ان کی کلام کا اکثر حصہ علماء کے متعلق ہوتا ہے۔وہ ان کا ذکراس طرح کرتے ہیں کہ معلوم نہیں پڑتا کہ یہ مذمت کررہے ہیں یا مدح، درحقیقت یہ لوگ ابلیس مردود کی چالوں کا شکار ہوچکے تھے۔

اس کے بعدراقم الحروف نے کمر بستہ ہوکرسلف کی کتب کو پڑھنا شروع کردیا، تاکہ معلوم ہوکہ کیا سلف کا بھی یہی طرزِعمل تھا یا وہ اس سے بری تھے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے جب اس موضوع پر مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو بہت ہی باکمال ہستیاں تھیں، جوعلم و فضل اورحقیقی عمل کا مرقع تھیں۔ دورانِ مطالعہ علماء کے اقوال اور واقعات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا جن میں عوام الناس اور طلبہ کے متعلق نصائح وعبرتوں کا کثیر حصہ شامل تھا۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ میں اسے لوگوں میں نشرکروں لیکن بے بضاعتی وکم مائیگی سے مجبور ہوکر رہ گیا۔

پھرجب علماء پرطعن وتشنیع اوران پر ابتلاءات وآلام کی کثرت ہوگئی اور وہ عوام وبعض اس قسم کے طلبہ علم کی ایذاء رسانیوں سے تنگ آگئے تو میں نے یہ عزم کیا کہ اب کچھ نہ کچھ ضرور لکھوں گا۔خوف نے پاؤں جکڑ لیے، تاہم جب امت کی بھلائی کا خیال آیا تو دل میں تسلی پیدا ہوئی اور پھر اللہ کا نام لے کر اس کو ترتیب دینا شروع کردیا۔ اسی اثناء میں دیکھا کہ دشمنانِ دین کی چاہت کے عین مطابق اپنوں نے علماء حقہ پر بے جا اعتراضات اور ان کے اقوال وافعال پر کیچڑ اچھالنا شروع کردیا ہے۔ بلکہ سیکولر و لادین طبقوں اور منافقوں کے ایک ٹولے کی یلغار بڑھ گئی۔ اب پانی سر سے گزر رہا تھا، لہٰذا دل اس بات پر پختہ ہوگیا کہ اب اگر علماء کی عزت بچانے کے لیے قدم نہ اٹھایا تو یقیناً یہ حق سے روگردانی ہوگی، کیونکہ یہ اہل السنہ والجماعت کا خاصہ اور امتیازی منہج ہے کہ اس طرح کے مسائل میں ان کے عقائد و نظریات کو ذکر کر کے علماء وطلبہ شریعت کا دفاع کیا جائے اور ہرگز تاخیر نہ کی جائے۔

علامہ ابن عساکرؒ نے اس طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

"اِعلَم یا أخی وفّقنی الله وإیّاك لمرضاته وجعلنا ممّن یخشاه ویتقیه حقّ تقاته أنّ لحوم العلماء مسمومة، وعادة الله فی هتك أستار منتقصیهم معلومةٌ، وأّن من أطلق لسانه فی العلماء بالثلب، بلاه الله قبل موته بموت القلب"﴿**فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴾ [النور : ٦٣]

[المجموع شرح المهذب: ٢٤/١]

''اے میرے بھائی! اللہ مجھے اور آپ کو اپنی رضا ومحبت سے نوازے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جو اس سے اسی طرح ڈرتے ہیں کہ جیسے ڈرنے کا حق ہے، جان لو کہ علماء کا گوشت بہت زہریلا ہوتا ہے اور جو لوگ ان کی تنقیص کے لیے ان کے پردے چاک کرتا ہے اس کے بارے میں اللہ کی سنت معلوم ہے کہ جو شخص اپنی زبان سے علماء میں عیب نکالتا ہے تو اللہ اسے مرنے سے قبل ہی دل کی مردگی کا شکار کردیتا ہے۔(جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے):﴿ **فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴾ ''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کے حکم کو ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے یا انھیں دردناک عذاب آ پہنچے۔''

یہی میرے اس موضوع پر قلم اٹھانے کا سبب ہے کہ دینِ اسلام میں علماء کا ایک عظیم مقام ہے، جو ان کی عزت واکرام کا تقاضا کرتا ہے۔لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ اس میں تساہل کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ بعض طالب علم بھی علماء کے بارے میں غیر شعوری طور پر نامناسب گفتگو کر جاتے ہیں اور صحیح منہج پر ہونے کے باوجود اکثر داعی حضرات اس معاملے کو حل کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ اسی طرح بعض منظّم منافقوں کے ٹولے

اور سیکولر جماعتیں بھی یہود و نصاریٰ کی پیروی میں علماء پر چڑھ دوڑی ہیں۔

اس مختصر تحریر میں جس کا نام ''دفاعِ اہلِ حق'' رکھا ہے، راقم الحروف نے معترضین کے ہتھکنڈوں، علماء کے خلاف پھیلائے گئے اشکالات اور اہل حق کو بدنام کرنے والے وسائل و ذرائع کو جمع کر کے عوام الناس و طلبہ کو ان سے بچنے کی تلقین کی ہے نیز ان کے پہچاننے کے طریقے بھی درج کیے ہیں۔ یہ رسالہ میں نے سن ۲۰۱۵ء میں تحریر کیا تھا لیکن کافی عرصہ تک طباعت کے اسباب پیدا نا ہونے کی وجہ سے اب میں نے ارادہ کیا کہ اسے آن لائن نشر کردوں، جس سے مقصود محض خیر کا پہلو سامنے لانا ہے۔ اس لیے میں اس کتابچہ کو کسی قسم کے حقوق کے ساتھ نشر نہیں کر رہا اگر کوئی شخص یا ادارہ اس کو کتابی شکل میں شائع کرنا چاہے تو میری طرف سے اجازتِ عامہ ہے۔ میں اس موقع پر اپنی کاوش کو اپنے والدِ گرامی کی طرف منسوب کر رہا ہوں جنہوں نے مجھے ہمیشہ تسلی دی کہ علم و عمل کی راہیں تابناک ہیں اور خیر کو ہمیشہ لوگوں تک بغیر کسی طلب کے پہنچانا چاہیے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے نفع مند بناتے ہوئے لوگوں کو دین اور صحیح منہج سکھانے میں ممد و معاون ثابت فرمائے اور ہمارے اس عمل کو باعثِ سعادت بنائے۔ نیز بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس تحریر کو میرے اور والدین کریمین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک

یاسر فاروق
لیکچرار اسلامیات

علماء کا مقام اور ان کی فضیلت

علمائے کرام کا مقام اور ان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو اہل علم سے تعبیر کیا ہے۔سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

﴿ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ [الزمر : ٩]

''کہہ دے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جونہیں جانتے؟''

جبکہ ان کے رب العزت سے تعلق کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے سورہ فاطر میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر : ٢٩]

''بلاشبہ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں''

اسی طرح اللہ رب العزت نے ایک مقام پر فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ﴾ [النساء : ٥٩]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں''

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مذکورہ آیتِ کریمہ میں ''اولوالأ مر'' سے مراد علماء وامراء ہیں۔

چوتھے مقام پر اہل علم کی جہلاء پر فضیلت و برتری واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ﴾
[المجادلة : ١١]

''اللہ ان لوگوں کو درجوں میں بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا''

جبکہ پانچویں مقام پر علماء کی فضیلت اور شان اور ان کی عزت و کرامت کو بیان کرتے ہوئے ان کا تذکرہ اپنی ذات اور اپنے مقرب ملائکہ کے ساتھ ملا کر کیا اور ارشاد فرمایا:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ [آل عمران : ١٨]

''اللہ نے گواہی دی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی، اس حال میں کہ وہ انصاف پر قائم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے علماء کی فضیلت اور ان کے مقام و مرتبے کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((مَنۡ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيۡرًا يُفَقِّهۡهُ فِي الدِّين)) [بخاري، كتاب العلم ، باب من يرد الله به خيراً: ٧١ـ مسلم : ١٠٣٧]

''جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرمالے تو اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔''

گویا جس کو دین کی سمجھ بوجھ نہ ملی وہ خیر سے محروم ہوگیا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بات ذکر کی ہے کہ علماء ہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو دین کی سمجھ بوجھ ہوتی ہے۔ یہ لوگ دراصل اپنے رب کی طرف سے خیر پر ہی ہوتے ہیں۔
[فتح الباری: ١٦٤/١]

اسی طرح علماء کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سیدنا ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا، وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ)) [أبوداؤد، كتاب العلم ، باب الحث على طلب العلم : ٣٦٤١]

''عالم کی فضلیت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر اور علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ بلاشبہ انبیاء دینار و درہم کے وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کے وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے یہ حاصل کرلیا اس نے (خیر کا) بہت بڑا حصہ حاصل کرلیا۔''

اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے جیسا کہ شیخ عبدالرحمٰن السعدیؒ کہتے ہیں:

"يدينون بالله باحترام العلماء الهداة." [القول السديد : ١٤]

''وہ (اہل السنہ والجماعہ) ہدایت یافتہ علماء کا احترام کرتے ہوئے اپنے رب کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔''

جبکہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

"موت العالم ثلمة في الإسلام لايسدّها شيء ما اختلف الليل و النهار."[شعب الايمان للبيهقى:١٥٩٠]

''ایک عالم کی موت اسلام میں اتنا بڑا رخنہ ہے کہ دن اور رات جب تک بدلتے رہیں گے اس وقت تک آنے والی کوئی شے بھی اسے پورا نہیں کرسکتی۔''

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:

"الناس عندنا أهل العلم ، ومن سواهم فلاشيء"

[الاعلام بحرمة اهل العلم والاسلام:١٧٣]

''ہمارے نزدیک سچے اور حقیقی لوگ تو علماء ہی ہیں، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

"لو أنّ فقيهاً فی رأس جبل لكان هو الجماعة"

[عدة المريد الصادق:۳۲]

''اگر ایک فقیہ اکیلا کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے تو وہی جماعت ہے۔''

شاعر نے اسی معنی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

النـاس من جهةِ التِّمثال أكفَاءُ أبـــوهُمُ آدم والأمُّ حــوّاءُ

فإن يكـنُ لهمُ فی أصلهم نسبٌ يفاخرون به فـالطينُ والمـاءُ

مـا الفضـل إلا لأهل العلم إنهمُ على الهُدى لمن استهتدى أدلّاءُ

وقدر كل امرءٍ مـا كان يُحسنه والجاهلون لأهل العلـم أعـداءُ

''لوگ محض جسموں کے اعتبار سے تو برابر ہیں کہ ان کے والد آدم اور والدہ حواء ہیں۔ اگر ان میں اصلاً نسب نہ ہو جس پر یہ فخر کرتے ہیں تو پھر (یہ محض) مٹی اور پانی کا مرکب ہیں۔فضیلت تو صرف اہل علم کے لیے ہے کیونکہ وہ ہدایت پر ہیں اور ہدایت کے طالب کے لیے راہنما ہیں۔آدمی کی قدر و قیمت اتنی ہے جتنا وہ نیکی کرتا ہے جبکہ جاہل تو اہل علم کے ہمیشہ سے ہی دشمن ہیں۔''

ان سب نصوص اور اقوال سے علماء کے اس عظیم مقام ومرتبے کی وضاحت ہوتی ہے جس سے یہ امت فیض یاب ہورہی ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں پر علماء کا تعظیمی حق ادا کرنا لازم ہے اور ان کی عزت وحرمت کی پاسداری بھی فرض ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ کے شعائر وحرمات میں سے ہیں جن کی تعظیم اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں لازم قرار دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ﴾ [الحج : ۳۰]

''اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج : ٣٢]

''اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔''

''شعائر'' دراصل ''شعیرۃ'' کی جمع ہے اور مفسرین کے نزدیک ''شعیرۃ'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی فضیلت وعظمت خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہو۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علماء بھی وہ لوگ ہیں جن کی فضیلت اور عظمت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا علماء کے بارے میں اخلاق سے گری ہوئی گفتگو کرنا، انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا یا پھر انھیں کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا کرنا درحقیقت اللہ کے شعائر کی توہین اور بے ادبی ہے۔ اسی بناء پر بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ اہل علم کی عزتوں سے کھیلنا جہنم کے گڑھے میں گرانے کا سبب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی بات کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ)) [بخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع : ٦٥٠٢]

''جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو اس سے میرا کھلم کھلا اعلان جنگ ہے۔''

اس لیے ہم سب، بشمول اہل علم وطلبہ کرام پر علماءِ حقہ کی عزت کرنا لازم ہے۔ ہم میں سے ہر ایک یہ تو جانتا ہے کہ سود خوری اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور جرمِ عظیم ہے۔ کیا ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ کے دوست کی مخالفت اور اس کو تکلیف دینا بھی اس سے اعلان جنگ کے مترادف ہے؟ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ کیا یہ حدیث ہمیں اس وقت یاد ہوتی ہے جب ہم کسی عالم دین کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں؟

عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"من آذى فقيها فقد آذى رسول الله ﷺ ومن آذى رسول الله ﷺ فقد آذى الله عزوجل." [الفقيه و المتفقّه : ١٤٣/١]

''جس نے کسی فقیہ کو تکلیف دی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کے رسول کو تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔''

اسی طرح خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہؒ اورامام شافعیؒ دونوں سے ایک قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"إِنْ لَمْ يَكُنْ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ الْفُقَهَاءُ وَالْعُلَمَاءُ فَلَيْسَ لِلّٰهِ وَلِيٌّ." [الفقيه و المتفقّه : ١٥٠/١]

''اگر دنیا و آخرت میں فقہاء اور علماء اللہ کے ولی و دوست نہیں تو پھر کوئی اللہ کا ولی نہیں۔''

ان سب نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل علم کی فضیلت ان کی شان وشوکت اوران کی عظمت کا اقرار لازم ہے اوران کے حقوق ادا کرنا ہم پر واجب ہیں۔

عالم ربانی کی پہچان:

اللہ رب العزت نے جس شخص کو دین کے علم اور اس کے صحیح فہم سے نوازا ہے اس کی پہچان علمِ شرعی میں رسوخ سے ہوجاتی ہے۔ اس کے شیوخ اور عوام الناس جب اس کی توصیف وثنا اور خوبیوں کو بیان کرتے ہیں تو وہ معروف ہوجاتا ہے۔ ایسے شخص کی یہ بھی صفت ہوتی ہے کہ اس کا علمِ نافع اسے فتنے اور شبہات سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور وہ مقدور بھر کوشش کرتا رہتا ہے۔اسی طرح رب کا خوف کرتے ہوئے دنیا کی بے ثبات زندگی سے بے پروا ہوجانا بھی اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

”ومن له في الأمة لسان صدق عام بحيث يثنى عليه ويحمد فيه جماهير أجناس الأمة فهؤلاء هم أئمّة الهدى ومصابيح الدجىٰ.“

[مجموع الفتاوى : ١١/٤٣]

’’جوشخص امت میں عام طور پر معروف ہواور اس کی تعریف کی جاتی ہواور امت کے جمہور طبقہ میں اس کی خوبیاں بیان ہوں تو ایسے لوگ ہی ہدایت یافتہ آئمۂ کرام ہیں اور رات کی سیاہی میں بطور چراغ ہیں۔‘‘

شیخ فتحی الموصلی عالمِ ربانی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ربانی عالم وہ ہوتا ہے جو افتراق کے وقت لوگوں کو اجتماعیت پر ابھارے،غفلت کے مواقع پر نصیحت کرے،فتنوں کے دور میں حکمت کی بات کرے۔جذبات سے مغلوب ہوجانا، حالات سے پریشان ہوجانا اور غیر ضروری مصروفیات میں مشغول ہوکر رہ جانا عالمِ ربانی کے شایانِ شان نہیں‘‘

[دروس و عبر: ٣٢]

یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ فقیہ ومفتی اور واعظ میں فرق ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ہر علم شرعی پڑھنے والا فقیہ ہو یا پھر جس کے پاس فنون کی کتب پر مشتمل ایک بہترین لائبریری ہو تو وہ امام ہو۔اور نہ ہی ایسا ہے کہ جس نے علوم انسانیہ کو سیکھ لیا تو وہ علوم شرعیہ اور فقہیہ کا عالم بن بیٹھے۔ بلکہ فقیہ کی پہچان اس کا علم ہے جبکہ وعظ ونصیحت کرنا ایک الگ چیز ہے۔فقیہ ومفتی کے لیے معرفتِ مسائل اور استنباطِ احکام ایک ایسا امر ہے جو اس کی فضیلت کا باعث ہے تاہم عمل ساتھ ہوتو کیا کہنے! جبکہ واعظ کا ہر اعتبار سے کامل اور ماہرِ فن ہونا ضروری نہیں۔امرِ واقع بھی یہی ہے کہ واعظین درجہ اجتہاد پر فائز نہیں ہوتے۔ ان کا کام امت کی نصوصِ شرعیہ اور عبر ونصائح کے ذریعے اصلاح کرنا ہے۔جبکہ حقیقی عالم ان کے مسائلِ روزمرہ کا حل پیش کرتے ہیں جو درجہ اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ امام ذہبی ؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قوم انتموا إلى العلم في الظاهر، ولم يتقنوا منه سوى نزر يسير أوهموا به أنّهم علماء فضلاء ، ولم يدر في أذهانهم قطّ أنّهم يتقرّبون به إلى الله لأنهم ما رأوا شيخا يقتدى به في العلم فصاروا همجا رعاعا غاية المدرس منهم أن يحصل كتبا مثمنة يخزنها وينظر فيها يوما ما فيصحف ما يورده، ولا يقرره فنسأل الله النجاة والعفو." [سير اعلام النبلاء : ١٥٣/١١]

''لوگوں کا ایک گروہ وہ بھی ہے جنھوں نے علم کی طرف ظاہری طور پر نسبت کر رکھی ہے حالانکہ ان کے پاس معمولی سا علم ہے اور اس وہم کا شکار ہیں کہ وہ علماء وفضلاء ہیں۔ ان کے ذہن کبھی بھی اس بات کی طرف نہیں گئے کہ وہ اس سے اللہ کا تقرب حاصل کر لیں۔ اس لیے کہ انھوں نے کسی حقیقی شیخ کی اقتداء کرتے ہوئے علم حاصل ہی نہیں کیا، محض ہموم در ہموم پڑے رہتے ہیں۔ان میں سے جو مدرس ہوتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ قیمتی کتب اکٹھی کی جائیں اور روزانہ کی بنیاد پر ان کو دیکھا جائے پس ان میں موجود علم کو ہی آگے بیان کردیا جائے اس کی پختگی اور رسوخ کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہوتے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے۔''

شیخ صالح الفوزان نے بھی یہی بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ولولہ انگیز خطابت کرنے والے اور عوام کو گھنٹوں بٹھائے رکھنے والے خطباء کو حقیقی علماء وفقہاء کے مرتبے میں لانا صحیح طرزِ عمل نہیں۔ عالم وفقیہ تو کسی بھی صورتحال میں حکمِ شرعی کا استنباط کرنے والا ہوتا ہے جس سے عموماً یہ خطباء حضرات نا بلد و نا آشنا ہوتے ہیں۔العیاذ باللہ ہمارا مقصد ان کی تنقیص ہرگز نہیں کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک معتبر طبقہ ایسا ہے جس کے اسلام قبول کرنے کا سبب یہی خطباء ہیں۔لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ہر ایک کو اس کا مقام و مرتبہ اور اس کا حق دیں تاکہ کسی کی قدر ومنزلت، فضیلت اور عزت و احترام

مجروح نہ ہو۔ [الدر الثمين في وجوب توقير العلماء : ٨]

اسی لیے سلف سے منقول ہے، وہ کہا کرتے تھے:

"من اعظم البلية تشيّخ الصحيفة " [تذكرة السامع و المتكلم : ٩٠]

''کتابوں سے علم سیکھنا بھی ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔''

اس لیے فی زمانہ ایسے بہت سے واعظ دیکھنے کو مل جاتے ہیں جنھوں نے علماء و فقہاء کا مقام لیا ہوا ہے تاہم ان میں نصوص شرعیہ کی مخالفت دیکھی گئی ہے۔اس سے ان کی تنقیص مطلوب نہیں بلکہ ان کے ذریعے پھیلے افکاراور ان مسائل کی طرف توجہ دلانا ہے جن سے علماءِ حقہ کی اہانت لازم آتی ہے۔

عالم ربانی اورحق پرست کی صفات:

امام آجرّیؒ نے ''اخلاق العلماء'' میں علمائے حقہ کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان پر لازم چند امور کا ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

عالم ربانی پر کئی امورلازم ہیں اس کی صفات سے متعلق ہیں۔مثال کے طور پر وہ کس طرح علم حاصل کرے گا؟ اگرعلم وافر ہوتو پھر اپنے نفس کے ساتھ کیسا معاملہ کرے گا؟ علماء کے ساتھ مجلس ہو تو کن آداب کو اختیار کرے گا؟درس وتدریس کے کیا اسلوب ہیں؟ مناظرے میں کیا رویہ اختیار کرے گا؟ اگر مفتی بن جائے تو پھر کیا کیفیت ہوگی؟اور اگر امراء و ورزاء کی طرف سے آزمایا جائے تو کیا کرے گا؟ لوگوں کے ساتھ اس کا عمومی برتاؤ کیا ہوگا؟ یہ سب اس کے حوالے سے لازم اورضروری امور ہیں جن میں اس کے افکار و کرداراورعلم کی حقیقت کو پرکھا جاتا ہے۔[أخلاق العلماء :١-٤٦]

یہاں مناسب ہے کہ اپنے اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے ہم علماء کے کچھ ضروری اوصاف اوراسی طرح ان سے کسبِ فیض کرنے والوں کی ذمہ داریوں پر اجمالی نظر ڈالیں۔اس ضمن میں سب سے پہلے علماء کی صفات بیان کی جاتی ہیں تاکہ ان کو پہچان کر

علمائے حقہ اور حقیقی اہل علم و دانش تک پہنچا جاسکے اور غیر عالم و رسمی علماء سے خود کو بچایا جائے۔ ذیل میں حق پرست علماء کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

علماء حقہ کی صفات

علماء کی صفات سے متعلقہ اس بحث میں ہمارا مطمحِ نظر یہ ہے کہ ان علماء کو سامنے لایا جائے جو وراثتِ انبیاء کے حقیقی وارث اور اس کے نشر واشاعت میں اصلاً کردار ادا کرنے والے ہیں تاکہ عصرِ حاضر میں پھیلے بدکردار اور لادین قسم کے لوگوں سے عوام کو بچایا جائے جو دراصل خواہشاتِ نفسانیہ کے پجاری اور دین ومذہب کے سوداگر بنے ہیں۔ یہ لوگ دراصل اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے دین کا نام استعمال کرتے ہیں، بعدازاں سیاسی ومعاشرتی اور سماجی کشمکش کا حصہ بن جاتے ہیں اور اپنی چرب زبانی اور لوگوں کی کم علمی کا فائدہ اٹھا کر اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ علمائے حقہ کی پہچان کرائی جائے تاکہ عوام الناس ان سے رجوع کرے اور دوسرے گروہ کے ہتھکنڈوں سے اپنے دین وایمان کو محفوظ کرلے۔ اعاذنا اللہ منہ

اس لیے جب ہم اپنے معاشرے کہ طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں علماء کے مختلف طبقات ملتے ہیں جن میں سے حقیقی علماء کی پہچان کرنے کے لیے، ان کی ذیل میں بیان کردہ صفات جو دراصل بطریق خطاب ہیں، کو ملاحظہ کیا جائے۔

اخلاصِ نیت اور عاجزی وانکساری :

اخلاصِ نیت تمام امور وعبادات کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط ہے۔ اگر کوئی عالمِ دین دعوت کا کام یا کوئی عبادت و ریاضت شہرت ولوگوں سے صلہ کی امید رکھتے ہوئے کرے گا

تو اس کا یہ عمل رائیگاں جائے گا۔اس حوالے سے شیخ صالح الفوزان لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کی اگر تعریف یا حوصلہ افزائی نہ کی جائے تو وہ دعوت کا کام چھوڑ دیتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دعوت کا کام اللہ کے لیے نہیں کرتے''

[اعانة المستفيد: ١٣٦]

امام صفوانؒ کہتے ہیں:

''جب طلبہ دین کا حلقہ بہت زیادہ وسیع ہوجاتا تو امام خالد بن معدانؒ شہرت کے خوف سے حلقہ چھوڑ کر چلے جاتے''

[تذكرة الحفاظ: ج١ ص ٩٢]

علامہ ناصر الدین البانیؒ کے بارے میں معروف ہے کہ بنگلہ دیش کے ایک وفد نے ان کو وہاں آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے صاف انکار کردیا۔ وفد میں موجود ایک شخص نے بہت زیادہ اصرار کیا اور کہا کہ آپ محض ایک درس ارشاد فرمادیں۔ ہم لاکھوں لوگ محض آپ کی زیارت کے متمنی ہیں جو اس درس سے حاصل ہوجائے گی۔ علامہ البانیؒ نے اس کو قبول نا کیا۔ اس وفد کے واپس چلے جانے پر بعض حاضرین نے انکار کی وجہ دریافت کی تو علامہ البانیؒ نے فرمایا:

''تم کیا سمجھتے ہو کہ جب لاکھوں کا مجمع میرے سامنے ہوگا تو مجھے تکبر یا شہرت کا خیال نہیں آئے گا؟''

[احوال عن الالبانی:٢٣]

امام حماد بن سلمہؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص علمِ حدیث غیر اللہ کے لیے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ نہیں سکے گا''

[تذكرة الحفاظ: ج ١ ص ١٧٢]

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

''جب نیت صحیح ہو تو علمِ حدیث پڑھنے سے کوئی عمل بہتر اور افضل نہیں''

[تذكرة الحفاظ: ج ١ ص ١٧٤]

اسی طرح اہلِ علم اور دینِ حق کی فہم رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کریں۔اس لیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر کو بھی اس کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْن ﴾ [الشعراء : ٢١٥]

''اور اپنا بازو اس کے لیے جھکا دے جو ایمان والوں میں سے تیرے پیچھے چلے۔''

ربیع بن انسؒ اللہ کے فرمان: ''وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مراد ہے کہ امیر وغریب آپ کے ہاں برابر ہوں۔

[أخلاق حملة القرآن : ٤٥]

ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ کی عاجزی و انکساری کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں:

((يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ، وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ عَلَى خُبزِ الشَّعِيرِ)) [سلسلة الاحاديث الصحيحة : ٢١٢٥]

''نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھ جاتے اور زمین پر ہی بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔آپ خود بکریوں کو باندھتے اور غلاموں کی (طرف سے دی جانے والی) جو کی روٹی کی دعوت بھی قبول کرتے تھے۔''

اس حوالے سے علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

علماء کے لیے لازم اور ان کے شایان شان جو اوصاف ہیں ان میں عاجزی و انکساری کو اختیار کرنا اور عجب وفخر کا ترک کر دینا لازم امر ہیں۔کیونکہ تواضع و انکساری میں نرمی کا پہلو ہوتا ہے۔جبکہ عجب وفخر لوگوں کو دور کرنے کا موجب ہے اور علماء کے لیے یہ حد درجہ قبیح

ہے۔ اس لیے کہ لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ کا حل مطلوب ہو تو ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لیے اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں گے تو لوگ ان سے دور ہو جائیں گے اور معرفتِ احکام شرعیہ کی بجائے جہالت بڑھ جائے گی۔ سلف ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ اپنے علم کی وجہ سے تکبر کرتے ہیں اور خود کو اعلیٰ ثابت کرتے ہیں اللہ انھیں نیچا دکھا دیتا ہے اور جو تواضع اختیار کرتے ہیں انھیں بلند مقام و مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ یہ اللہ کا اصول ہے کہ: ﴿ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ﴾[یوسف : ٧٦] ''ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، جیسا کہ امام شعبیؒ فرماتے ہیں:

علم تین بالشت ہے جس نے اس میں سے ایک بالشت پالیا اور سونگھ لیا تو اس نے سمجھا کہ اس نے کل علم حاصل کر لیا اور جس نے دوسرا بھی پالیا تو اس نے اپنے نفس کو حقیر کر دیا اور جان لیا کہ اس نے کچھ نہیں پایا اور جس نے تیسرا حصہ بھی حاصل کر لیا تو اس نے سمجھ لیا کہ علم کامل تو کوئی بھی نہیں پا سکتا۔'' [أدب الدنیا و الدین : ٧٣]

رہی عجز کی بات کہ انسان خود کو عاجز ثابت کرے تو بعض علماء اس بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسا شخص ہلاک ہو گیا جو ''لاأدري'' (مجھے نہیں معلوم) کو اپنے کلام کا حصہ نہیں بناتا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ علاّم الغیوب نے علم تو دیا ہی بہت کم ہے تو اس پر غرور و فخر کس کام کا ہے؟ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ مَآ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴾ [الإسراء : ٨٥]

''اور تمھیں علم میں سے بہت تھوڑے کے سوا نہیں دیا گیا۔''

پس نصوصِ شرعیہ کے فہم اور خود کو عقلاء کی صف میں داخل کرانے کے لیے رب کی طرف رجوع لازم ہے۔ اور جو شخص خود کو علم کے لیے وقف کر دے اور عاجزی و انکساری اختیار کرے وہی علمِ حقیقی اور وراثتِ انبیاء کا حق دار بنتا ہے اور وہی حقیقی عالم دین ہے۔

علم وعمل کی یکسانیت:

عالمِ دین کا بڑا زیور ہی یہی ہے کہ علم کے مطابق عمل کرے اور اللہ کے اس فرمان میں مذکور وعید سے بچ جائے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْن﴾ [البقرة : ٤٤]

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟''

نیز عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے اس فرمان کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْن كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف : ٢،٣]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک ناراض ہونے کے اعتبار سے بڑی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے۔''

اور وہ اللہ کے اس فرمان کا ہرگز مصداق نہ بنے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ [الجمعة : ٥]

''ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال کی سی ہے جو کئی کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔''

یہ اگرچہ ایک مستقل موضوع ہے، تاہم یہاں ہمارا مقصود محض یہ ہے کہ عالمِ حق کی یہ علامت ہوتی ہے کہ وہ اپنے عمل کو اپنے علم کے عین مطابق ڈھالتا ہے اور کسی بھی قسم کی کمی و کوتائی کا مرتکب نہیں ہوتا، نیز اپنے قول وعمل میں تضاد نہیں پیدا کرتا۔

علم پھیلانے میں بخل سے کام نہ لے:

عالمِ دین اورنصوص شرعیہ کی صحیح فہم رکھنے والے شخص کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے علم کی نشر وتبلیغ اور اس سے لوگوں کے استفادے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔علم کی سخاوت دراصل مال کی سخاوت سے فروتر ہے اوراس پر شرف کی حامل ہے۔لہٰذا جس نے علم کونشر نہ کیا اور کتمان کیا تو اس نے ظلم کیا اور یہ فعل کسی حق پرست عالم کی علامت ہرگزنہیں۔ اللہ رب العزت نے امورعلمیہ کی لوگوں تک تبلیغ کا حکم دیا ہے، چنانچہ اس بارے میں فرمایا:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ﴾

[آل عمران : ۱۸۷]

’’اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہرصورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انھوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی۔سو برا ہے جو وہ خرید رہے ہیں۔‘‘

جن لوگوں نے معاصر کباراور سلفی علماءِ عرب وعجم کے حالات زندگی کو پڑھا ہے یا انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ شیخ البانیؒ، ابن بازؒ، صالح العثیمینؒ، شیخ بدیع الدین راشدیؒ ،حافظ محمد گوندلویؒ ،عبدالمنان نور پوریؒ وغیرہ کس قدر علم میں سخاوت کرتے تھے اور قدیم علماء کے طرزعمل سے خودکوکس طرح جوڑے رکھتے تھے، بلکہ اکثر شیوخ علامہ ابن القیمؒ کے اس فرمان کو اکثر اپنے طلبہ کے سامنے بیان کیا کرتے تھے:

علم کی سخاوت یہ ہے کہ جب کوئی سائل آپ سے سوال کرے تو اس کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے اسے شافی جواب دیں اوراسے مطمئن کریں۔اس کی ضرورت کے بقدرفتویٰ دیں،ایسا نہ ہوکہ ہاں یا ناں میں ہی اسے اٹھا دیں۔ہم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مشاہدہ

کیا ہے کہ جب ان سے کوئی سوال ہوتا تو وہ حتی الوسع اس کے دلائل نقل کرتے، مذاہب کا ذکر فرماتے اور اصولی گفتگو کر کے نتائج اخذ کرتے اور ترجیح کی وجہ سمجھاتے۔ پس یہ ان کے علم کی سخاوت کا بہترین نمونہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی صحابی کو اس کے سوال سے زائد جواب دیا جس کی آپ کو ضرورت محسوس ہوئی فرمایا:

((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ ، اَلْحِلُّ مَيْتَتُهُ)) [مدراج السالكين: ٢٧٩/٢ حدیث کے لیے دیکھیے :ابوداود، کتاب الطھارۃ،باب الوضوء بماء البحر:٨٣]

نفس کی پاکیزگی:

اپنے نفس اور معاملات کو صاف رکھنا ہی حقیقی عالم دین کی نشانی ہے۔ ایسے علماء جو مال تو کماتے ہیں لیکن غیر شرعی طریقوں سے حاصل کرتے ہیں وہ دراصل علمائے سوء ہیں۔ پس جس عالم کے پاس دنیا کا مال تو ہو مگر وہ اسے بقدر کفاف لے اور بقیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے یا اللہ نے اسے پاکیزہ مال کی فراخی دی ہے تو یقیناً یہ باعمل اور عالم ربانی ہے۔ اور جو محض دنیوی مفادات کے پیش نظر فتویٰ دے اور خلاف مروّت امور اس سے سرزد ہوں تو یہ عالم ربانی اور عالم حق نہیں بلکہ دین کے نام پر دنیا کو فروغ دینے اور تلبیس کرنے والا انسان ہے جو لوگوں کے ایمان وعمل کے لیے کسی خطرے سے کم نہیں ،لہٰذا اس سے بچنا لازم ہے۔ ایسے علماء جو ہر وقت نمودونمائش اور ذاتی تعریف وستائش کا شکار رہتے ہیں، اور اپنے عالم دین ہونے کا جتلاتے رہتے ہیں بلکہ اس کو فضیلت گردان کی اس پر ہی اعتماد کر لیتے ہیں حالانکہ علم دین اور مسائل شرعیہ میں ان کا رسوخ بہت ہی محدود ہوتا ہے، ان سے بچنا ضروری ہے۔ علامہ ابن جماعہؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

"أن ينزّه علمه عن جعله سلمًا يتوصّل به إلى الأغراض الدنيوية."

''عالم ربانی کو اپنا علم دنیاوی اغراض کے حصول کے لیے سیڑھی بنانے سے (بچنا چاہیے)۔''

مزید فرماتے ہیں:

"وكذلك ينزّهه عن الطمع فی رفق من طلبته بمال أو خدمة أو غيرهما."

[تذكرة السامع و المتكلم : ٣٦]

''اسی طرح جو طلبہ اس کے پاس حصول علم کے لیے آتے ہیں وہ ان پر نرمی کا مظاہرہ کرنے سے اس طور پر بچے کہ وہ ان سے مال یا کوئی اور خدمت کا طمع رکھتا ہو۔''

اسی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عالم ربانی دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے اور اس کی معرفت آسانی ہوتی ہے۔اس طرح کہ جب وہ لوگوں میں ہوتا ہے تو دنیا کی چاہت اس کے دل میں نہیں ہوتی بلکہ اس کا دل رب کے انعامات کے حصول میں مگن ہوتا ہے۔ وہ اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔اور دنیا واہل دنیا سے اس کا دل کوسوں دور ہوتا ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"الزهد على ثلاثة أوجه؛ الأول ترك الحرام وهو زهد العوامّ والثانی ترك الفضول من الحلال وهو زهد الخواصّ والثّالث ترك ما يشغل عن الله وهو زهد العارفين." [مدارج السالكين : ١٤/٢]

''(زہد دنیا سے بے رغبتی) کی تین صورتیں ہیں ؛اول : حرام کا ترک کردینا، اور یہ عوام کا زہد ہے۔ دوم: حلال امور میں سے بھی غیر ضروری کا چھوڑ دینا، اور یہ خواص کا زہد ہے۔اور تیسرا: یہ کہ ان تمام امور کو چھوڑ دینا جو اللہ سے دور کریں، اور یہ معرفت الٰہی رکھنے والوں کا زہد ہے۔''

تعلیم ونصیحت میں اخلاص:

یہ بات تفصیل سے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ ہر کام میں خلوص

نیت کا وجود لازم ہے۔ اگر نیتِ خالصہ تعلیم وتعلّم میں نہ پائی جائے تو یقیناً یہ سلسلۂ تعلیم و نصیحت اکارت ہوجائے گا۔ امام شافعیؒ اس بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"وددت أنّ الناس انتفعوا بهذا العلم وما نسب إليّ من شي."

[الدر النضيد : ۱۱۸]

''میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھ سے اس علم (نافع) میں نفع حاصل کریں لیکن میری طرف کچھ بھی منسوب نہ ہو۔''

لہٰذا اگر کسی کی نیت میں کھوٹ اور ملاوٹ ہے تو وہ قطعاً عالم ربانی نہیں اور نہ ہی وہ علم حقیقی کا حامل ہے۔ اس کا علم اس کے لیے وبال بن جائے گا جیسے روز قیامت ایک ریا کار عالم کو جہنم کے بھڑکانے کے لیے لایا جائے گا اور اس کا سارا علم وعمل غارت ہوجائے گا۔

[دیکھیے: مسلم : ۱۹۰۵]

نیز جو لوگ علماء کی خواہ مخواہ تعریفوں کے پل باندھتے رہتے ہیں، علماء کے لیے ان سے دور رہنا لازم ہے، اس لیے کہ حد سے زیادہ تعریف وتوصیف علماء کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ چنانچہ وہ علماء جو ایسے لوگوں کو اپنے قریب ایک حلقہ کی صورت میں رکھتے ہیں، جس میں ان کے فضائل ومحامد بیان ہوتے رہتے ہیں، ایسے علماء سے بھی دور رہنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ خود پسندی سے نکل کر کبھی بھی آپ کی خیر خواہی نہیں چاہیں گے بلکہ آپ کو دین ودنیا کی مشکلات میں ڈال دیں گے۔

متعلّمین پر نرم وشفیق:

اہل علم اور اہل فضل وکرم کی یہ علامت ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے جڑے لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں اور انھیں تنگی وتکلیف کا شکار ہرگز نہیں ہونے دیتے۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر کو بھی نرمی کرنے کا حکم دیا اور اس کو اپنی رحمت قرار دیا، ارشاد باری ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْلَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾

[آل عمران : ۱۵۹]

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہوگیا ہے اور اگر تو بد خلق، سخت دل ہوتا تو یقیناً وہ تیرے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے، سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر، پھر جب تو پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر بھروسا کر، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

استاذ الاساتذہ حافظ محمد شرف حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ کے اندر اتنی شدت، ہیبت اور خوف نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی طالبِ علم آپ کی سزا اور غصے سے بچنے کے لیے جھوٹ بول دے؛ میں سمجھتا ہوں کہ بچوں کی تربیت کے لیے یہ ایک مہلک عمل ہے''

[مقالاتِ تربیت: ۲۵۳]

طلبہ علم کو پریشانی اور کوفت میں مبتلا کرنا ایک معلم کی صفت ہرگز نہیں۔ اسلام تو مکمل آسانی اور راحت کا دین ہے جو لوگوں میں محبت و شفقت اور باہمی مودت کے ذریعے تعلیم و تعلم کے فروغ کا حکم دیتا ہے۔اس لیے جو عالم لوگوں کو حرج میں مبتلا کرے اور خواہ مخواہ غیر ضروری و لایعنی مسائل میں ان کو الجھائے رکھے، لازم ہے کہ ایسے شخص کی تربیت کی جائے اور اسے کبار علماء کے طرزِ عمل سے روشناس کرایا جائے۔ اس کے لیے نصیحت کا پہلو اختیار کرنا ضروری ہے تاہم نہ تو خواہ مخواہ اس پر کیچڑ اچھال کر اسے رسوا کیا جائے، اور نہ ہی دیگر علماء کی مجالس میں اس کا مذاق اڑایا جائے۔ نیز عالمِ حق پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والوں کی ہمہ وقت نصیحت و خیر خواہی اور ان کی اصلاح کی فکر کرے اور اگر ان میں کسی

قسم کا نقص یا شر دیکھے تو تنبیہ کرے۔ یہ یقیناً اس کے اپنے حق میں بھی بہتر ثابت ہوگا۔

امراء و وزراء اور عہدیداران سے برتاؤ:

آج کل کے معاشرے میں یہ افراد قابل ترس ہوتے ہیں اور ان کی عادات و خصائل ایسی ہیں جن کے ذریعے وہ غیر اسلامی رویوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام کی عام تعلیمات سے نابلد ہوتے ہیں اور معمولاتِ دنیا کے اسیر ہوتے ہیں۔ ان کی حالت قابل ترس ہوتی ہے اور انھیں تبلیغ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا علماء کا ان کے پاس جانا اور انھیں نیکی و اصلاح کی تلقین کرنا لازمی امر ہے لیکن اس میں چند آداب ہیں جن کا ملحوظ خاطر رکھنا ازحد بس ضروری ہے۔ علامہ ماوردیؒ نے ان آداب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، جنھیں ہم مختصر ذکر کیے دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

☆ عالمِ ربانی کسی اعلیٰ عہدیدار یا سلطان و حاکم کے پاس جانے کو اپنی خوشی و مسرت اور عیاشی و لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہرگز نہ بنائے بلکہ یاد رکھے کہ اس حاکم کا اپنا مقام ہے اور اس عالم کا اپنا مخصوص مقام ہے۔ لہٰذا اس کی اطاعت کا حق برقرار رکھتے ہوئے اپنی توہین اور ذلت و رسوائی کا ہرگز موجب نہ بنے۔

☆ اس کے بلاوے پر وہاں جائے جب وہ خود اس کی اشد ضرورت محسوس کرے اور وہاں جا کر بقدر ضرورت ہی بیٹھے۔ بسا اوقات کچھ علماء ان کے سامنے اپنا علمی جاہ و جلال اور مرتبہ ظاہر کرنے کے لیے بیٹھے رہتے ہیں، جس کے خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے اور جو اس پر چل پڑتا ہے تو وہ اپنے علم کی بے قدری کا سبب بنتا ہے۔ اپنے وقت کا احترام کرے اور مسائل کے حل ہوتے ہی وہاں سے نکل آئے۔

☆ اس کی تعلیم و تربیت کا محل اس کے پاس مذاکرہ اور محاضرہ ہوتا ہے نہ کہ افادۂ عام یا تعلیمِ مخصوص، کیونکہ وہاں علماء کا جم غفیر ہوسکتا ہے جو محض دلائل کو پرکھ کر ان میں جمع و توفیق کے بعد ارجحیت کا فیصلہ دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ غلطی کرے گا تو سوالات اور

اعتراضات ہوں گے جس کا ردّعمل شدید اور عاجز کر دینے والا ہوسکتا ہے۔

☆ چوتھی اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ عالمِ دینِ متین جب ان حکمرانوں کے ہاں جاتا ہے تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ان کی حق کے معاملات میں پیروی کرے اور باطل یا غلط رائے میں ان سے شرعی نصوص کے پیش نظر اختلاف کرے اور جہاں تک ممکن ہو وہ ان کی اصلاح کی کوشش کرے۔ ایسا بہت مرتبہ ہوا کہ عالم کو بلایا گیا اور اس نے ڈر کر اس کی موافقت کردی جس نے اسے بھی مزید گمراہی میں ڈال دیا اور جو لوگ اس کی پیروی کرنے والے تھے وہ بھی گمراہ ہوتے چلے گئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عالم ربانی ان تمام امور کو ملحوظ خاطر رکھے اور ان میں ہرگز خطا اور ٹھوکر نہ کھائے۔ اس لیے جن علماء میں یہ تمام اوصاف موجود ہیں اور وہ خود کو غیر ضروری اور مشتبہ امور سے بچاتے ہیں ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کا دفاع بھی کریں اور ان کی عزت وحرمت کا پاس بھی رکھیں۔

[أدب الدنيا و الدين : ٨٩]

اسی طرح ان کے خلاف جانے یا خروج کرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ متعدد احادیثِ نبویہ اور صحابہ کرام کی تصریحات کا خلاصہ یہی ہے کہ ان کو نصیحت کی جائے تاہم ان کے خلاف نکلنے سے ہرگز بچا جائے۔ محدثین کے سردار امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

''میں نے حجاز، مکہ و مدینہ، کوفہ و بصرہ، واسط و بغداد، شام اور مصر کے ایک ہزار سے زائد اہلِ علم سے ملاقات کی ہے۔ کسی کا بھی ان باتوں میں اختلاف نہیں تھا کہ ہم حکمرانوں سے جھگڑا نہیں کریں گے، ان کی اطاعت کریں گے اور امتِ محمدیہ پر تلوار نہیں اٹھائیں گے''

[شرح أصول الاعتقاد للالكائي: ج ١ ص ١٩٣]

امام ابوبکر الاثرمؒ کا کہنا ہے:

''نبی کریم ﷺ کی احادیثِ متواترہ اور صحابہ کرام کے اقوال کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ؛ حکمرانوں کے معاملے میں صبر کیا جائے اور وہ لوگ خروج کو ناپسند

کرتے تھے اور جو کوئی اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کرتا ہے اسے باغیوں ،خوارج اور بدعتیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں‘‘

[ناسخ الحدیث و منسوخه: ۲۵۷]

شیخ صالح آل الشیخ کہتے ہیں:

’’بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو اہل السنہ والجماعہ میں سے خیال کرتے ہیں،وہ حکمرانوں کے متعلق اہل السنہ والجماعہ کے منہج کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ہمیں اہل السنہ والجماعہ کے جملہ اصول وعقائد کو لینا چاہیے؛ اگر ہم بعض اصول لیتے اور بعض ترک کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی ہوائے نفس کا شکار اور اس کے غلام ہیں‘‘

[شرح لمعة الاعتقاد:۱۵۱]

طالب علم کے لیے ضروری آداب

ہر وہ شخص جو علم کے حصول کے لیے اہل علم کے پاس جاتا ہے اور ان کی مجالسِ علم میں حاضری دیتا ہے وہ طالب علم ہے۔خواہ علوم نقلیہ کا حصول مقصود ہو یا کسی خاص مسئلے یا حکم پر علماء کی آراء کا حصول مطلوب ہو۔ اس لحاظ سے علماء وفقہاء سے کسب فیض کرنے والے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اہل علم حضرات کی عزت و احترام میں ہرگز کمی نہ آنے دے اور ان کے سامنے ادب سے جائے اور اس ادب کے جو تقاضے ہیں، ان کو بطریقِ احسن نبھائے۔ کیونکہ ادب حصولِ علم کے لیے ضروری ہے۔اس مناسبت سے ذیل میں چند ایک اہم اور ضروری آداب ذکر کیے جاتے ہیں جن کی رعایت کسی بھی طالبِ علم پر لازم ہے۔

عالم دین کے سامنے تواضع اختیار کرنا:

علم اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ انسان تواضع اختیار نہ کرے۔ یہ بات ہم عالم ربانی کے اوصاف میں بھی قدرے مفصل ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ مطلوب ہے کہ جو شخص حصول علم کے لیے سرگرداں ہے اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ یا جس بھی عالم دین کے سامنے حاضر ہوتا ہے اس سے معاملے میں عاجزی و انکساری کا پہلو غالب رکھے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”لایطلب أحد بهذا العلم بالملك و عزّ النفس فيفلح، و لكن من

طلبه بِذُلّ النفس و ضِيق العيش و خدمة العلماء أفلح.“[الفقيه والمتفقه :٢ـ١٨٤]

’’کوئی بھی اس علم کو ملکیت یا اپنی عزت نفس کی بناء پر حاصل نہیں کرسکتا کہ جس کی بنا پر وہ کامیاب ہوجائے لیکن جس نے بھی اپنے نفس کو عاجزی میں ڈال کر اور تنگی داماں میں مبتلا کر کے اور علماء کی خدمت کر کے اس علم کو حاصل کیا تو وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔‘‘

امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے امام ابراہیم بن طہمانؒ کا ذکر کیا گیا تو وہ ٹیک کو چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرماتے ہیں:

”لاينبغي أن يذكر الصالحون فَيُتَّكّأُ“

[صفة الصفوة:٣٢٠/٢]

’’ہرگز جائز نہیں کہ نیک لوگوں کا ذکر ہو اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔‘‘

ابن عباسؓ نے زید بن ثابت انصاریؓ کی سواری کی رکاب تھام لی تو لوگوں کے دریافت کرنے پر فرمایا:

((هَكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا))

[المجالسة و جواهر العلم : ١٤٦/٤]

’’ہمیں اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح کا طرز عمل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

اس طرزِ عمل کے بارے شاعر نے کیا خوب کہا:

وإن كريم الأصل كالغصن كلّما تحمّل أثماراً تواضع و انحنى

’’ اور بہترین نسب والا اس ٹہنی کی مانند ہوتا ہے کہ جب اس پر پھل لگتا ہے تو وہ عاجزی سے جھک جاتی ہے۔‘‘

الغرض علماء کے سامنے تواضع اختیار کرنا دراصل علم کے حصول کی شرط اول ہے، ورنہ علم ہرگز حاصل نہیں۔

عالم دین کو ادب سے مخاطب کریں:

عالم دین سے کلام کرتے ہوئے الفاظِ خطاب میں حددرجہ احتیاط ضروری ہے۔اس لیے کہ اگر آپ ان سے محتاط کلام نہیں کریں گے تو ان کی عزت وحرمت جاتی رہے گی۔کبھی بھی عالم کو اس کے نام سے ہرگز مت پکاریں بلکہ استاد، شیخ یا معلّمِ خیر جیسے القاب سے مخاطب کریں۔ اسی طرح حالتِ اضطرار میں دور سے ہی اسے مت بلائیں بلکہ قریب جائیں اور حسن وسماحت سے اپنا مسئلہ اس کے سامنے رکھیں۔ نیز اس کے لیے کوشش کرکے جمع کا صیغہ ادا کریں۔اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان کے استاذ، یعنی نبی اکرمﷺ سے جو رویہ برتنے کا حکم دیا اس میں عزت وحرمت کا پاس کرتے ہوئے بے تکلفی اور عاصیانہ رویے سے بھی منع کیا ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا﴾

[النور : ٦٣]

''رسول کے بلانے کو اپنے درمیان اس طرح نہ بنالو جیسے تمھارے بعض کا بعض کو بلانا ہے۔''

یہ آیت علماء کے منازل اورعزت وشرف میں اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

ضروری ہے کہ سائل یا طالب علم یوں کہے: اے عالم دین! اے حافظِ علم! آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ آپ کا اس مسئلہ میں کیا خیال ہے؟ اسی طرح اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کا نام نہ لے بلکہ استاذ یا شیخ کے القاب سے اسے یاد کرے۔ [تذكرة السامع والمتكلم : ٩١]

جب بھی علماء سے سوال کرنا ہو تو ادب کے دائرے میں رہ کر سوال کیا جائے۔سختی و درشتی اور لہجے میں تصنع سے گریز کیا جائے۔اسی طرح تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا جائے

اور دلیل کی طلب میں ہرگز کم ہمتی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ابوسلمہؒ سوال و جواب میں عبداللہ بن عباسؓ سے جھگڑا کرتے تھے، اس لیے علم وافر سے محروم رہے، اور وہ خود ہی اس بات کا اعتراف کیا کرتے تھے:

"لو رفقت بابن عباس لأصبت منه علماً"

[أخلاق حملة القرآن : ٦٥]

''اگر میں ابن عباسؓ سے نرمی کرتا تو بہت سا علم اس حاصل کر لیتا۔''

ایک اور بات جس کو ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ لا یعنی اور غیر نفع بخش سوالات سے اجتناب کریں۔ اسی طرح جن امور کا علم ہے، علماء کو عاجز کرنے یا ان کے علم کا امتحان لینے کی غرض سے سوال کرنا بھی خلافِ مروت اور قبیح عمل ہے۔ مثال کے طور پر کوئی یاجوج وماجوج کے مذہب کے بارے میں دریافت کرتا پھرے یا اصحاب کہف کے کتے کی مغفرت وعدمِ مغفرت کی بابت استفسار کرے یا اسی طرح کوئی فتنہ انگیز سوال کرے جس کا کوئی بھی نفع نہ ہو بلکہ اس سے کوئی نئی اور غیر ضروری بحث جنم لے اٹھے۔ سلف میں اس حوالے سے امام مالکؒ کی مثال معروف ہے۔ ان سے کسی نے کوئی سوال کیا تو وہ خاموش رہے، وہ شخص کہنے لگا: آپ بولتے کیوں نہیں؟ انھوں نے فرمایا: اگر تو مجھ سے کوئی نفع بخش سوال کرتا تو میں تجھے ضرور جواب دیتا۔ [أخلاق حملة القرآن : ٦٧]

گویا علماء سے غیر ضروری سوالات کرنا علم و ادب کے اصولوں کے منافی ہے پس حسنِ نیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے استاد یا معلم سے سوال کریں اور انھیں ہرگز امتحان میں نہ ڈالیں، بلکہ حتی الوسع حقیقی علم کے لیے ان کی طرف رجوع کریں۔

عالم دین کے ساتھ ساتھ پیدل چلنا:

امام محمد بن مفلح حنبلیؒ نے امام ابوالحسن کرخیؒ کے بارے ذکر کیا ہے کہ وہ جب اپنے وقت کے امام اور قاضی ابو یعلی حنبلیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر رہے تھے تو ایک دن قاضی ابو

یعلیؒ نے ان سے کہا: اگر تمہیں کسی دن اپنے شیخ کے ساتھ چلنا پڑ جائے تو کس طرف ہو کر چلو گے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا مجھے علم نہیں۔ تو قاضی ابو یعلیٰؒ نے یہ سن کر فرمایا:

"عن يمينه تقيمه مقام الإمام في الصلاة وتخلّى له الجانب الأيسر إذا أراد أن يستنثر أو يزيل أذى جعله فى الجانب الأيسر."

[الآداب الشرعية و المنح المرعية : ۲۵۵/۳]

''اس کے دائیں طرف (چلنا)، جیسے تو نماز میں امام کے ساتھ ہوتا ہے اور بائیں جانب چھوڑ دے اس لیے کہ جب وہ تھوکنا چاہے یا کوئی تکلیف دہ چیز دور کرنا چاہے تو اسے بائیں طرف آسانی ہو۔''

عالم دین کے لیے دعائیہ کلمات:

طالب علم کا فرض ہے کہ اپنے استاذ یا معلم و شیخ کے لیے دعائیہ کلمات ادا کرے اور کہے کہ اللہ اس کے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے۔

بعض سلف کے بارے منقول ہے کہ وہ اپنے شیوخ کے لیے یہ دعا کیا کرتے تھے:

"اللهم استر عيب معلّمي أو شيخي ولا تُذهب بركة علمه عني."

[تذكرة السامع و المتكلم : ۹۱]

''اے اللہ! میرے معلم یا شیخ کے عیب پر پردہ ڈال اور اس کے علم کی برکت مجھ سے ہرگز دور نہ کر۔''

اسی طرح دیگر کلمات دعائیہ'' أحسن الله إليك ، بارك الله في علمك وورعاك اور "جزاكم الله خيراً وأثابكم " جیسے الفاظ استعمال کرے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی میری کوئی ایسی نماز نہیں جس میں میں نے امام شافعیؒ کے بارے میں دعا نہ کی ہو۔

بلکہ ایک مرتبہ ان کی اس قدر دعا کو سن کر ان کے بیٹے نے دریافت کیا کہ امام شافعیؒ

کون ہے جس کے بارے میں آپ اس قدر دعا کرتے ہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا:

”یا بنيّ کان الشافعي کالشّمس في الدنیا و العافیة للناس.“

[الدر النضید : ۱۱۹]

''اے پیارے بیٹے! شافعی دنیا میں سورج کی مانند تھا اور لوگوں کے لیے عافیت کا سرچشمہ۔''

کیا اس دور میں ایسے لوگ ہیں جو اس قدر اپنے اساتذہ کے لیے دعا کرتے ہوں اور انھیں ہر دم اتنی نیک اور صالح خواہشات کا سرچشمہ سمجھتے ہوں؟

اہل علم کی فضیلت کا اقرار:

طالب علم کے لیے ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ وہ اصحابِ فضلیت کا معترف ہو اور ان کی تعریف کرے اور لوگوں کو اس کے پاس جانے اور ان سے کسبِ فیض کی تلقین کرے، نیز ان کی نیک نامی کا باعث بنے۔ تاہم ایسا نہ ہو کہ کوئی محض علمِ دین کی ابتدائی فہم وبصیرت کا حامل ہو اور اکثر خطا کا شکار ہو جائے اور یہ اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتا چلا جائے۔ اس پر ضروری ہے کہ وہ اہل حل وعقد اور علم و دانش کی خوب پرکھ رکھے اور ان کی عزت وتکریم کا حق ادا کرے۔ نیز جو شخص اہلِ علم اور اہلِ حدیث سے محبت کرے امام قتیبہ بن سعیدؒ فرماتے ہیں:

''جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ وہ اہلِ حدیث سے محبت کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) وہ سنت پر ہے''

[شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ۱٤۳ اس کی سند صحیح ھے]

شیخ کی سختی پر صبر:

سمجھ دار انسان کی یہ نشانی ہے کہ وہ اپنے شیخ یا معلم کی سختی پر صبر کرتا ہے اور اس کو دل میں ہرگز جگہ نہیں دیتا۔ جو شخص صبر کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور علم حاصل کر لیتا ہے۔

البتہ جس کا دل تنگ اور سخت ہوتا ہے وہ علم کے حصول میں ناکام و نامراد رہتا ہے۔ اس لیے صالح اور ربانی استاد کی سختی کو اپنے فائدے میں سمجھنا چاہیے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہؒ سے دریافت کیا گیا:

"إن قومًا يأتونك من أقطار الأرض تغضبُ عليهم يوشكُ أن يذهبوا ويتركوكَ، فقال للقائلِ: هُم حَمْقى إذًا مثلُك، إن تركوا ما ينفعُهُم لسوءِ خُلُقي." [تذكرة السامع و المتكلم : ٩٤]

''یقیناً لوگ دور دوراز سے آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ ان پر غصے ہوجاتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ جائیں اور پھر نہ آئیں۔ تو انھوں نے اس سے کہا: پھر تو وہ آپ جیسے احمق ہی ہوں گے جو نفع بخش چیز کو محض میرے برے اخلاق کی وجہ سے ترک کردیں گے۔''

سفیان ثوریؒ برے اخلاق والے ہرگز نہ تھے لیکن جب غیر شرعی امور دیکھتے تو اس پر خوب گرفت کرتے تھے۔ بسا اوقات شیخ لوگوں کی کثرت اور ہجوم کی بناء پر عاجز آجاتا ہے اور تھوڑی سختی دکھاتا ہے تو اس سے متنفر نہیں ہونا چاہیے بلکہ صورت حال کو سمجھنا چاہیے۔

یہ چند ایک ضروری احکام و آداب ہیں جن کا طلبہ علم کے لیے اپنانا ضروری ہے، وگرنہ علم دین اور اہل علم کی بے توقیری لازم آئے گی۔ میری یہ ناصحانہ گزارش ہے کہ اہل علم کے مقام و مرتبے کو سمجھ کر اس پر نقد و تبصرہ کرنے کی بجائے ان سے راہ نمائی لی جائے اور معاشرے میں موجود فساد اور بگاڑ کو ختم کیا جائے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو! آمین

اہلِ علم کی توقیر وادب کو زائل کرنے والے امور

ذیل میں طلبۂ علم اور عوام الناس کے لیے چند ایسے امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے علماء کی عزتوں پر حرف آتا ہے اور ان کے ارتکاب سے بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے۔

خواہ مخواہ اعتراض اور جھگڑا کرنا:

ایک عالم دین اگر کسی مسئلہ کے حکم یا استنباط میں خطا کر لے تو عام لوگ اور طلبہ کرام اس میں وسعت قلبی کا مظاہرہ کریں۔ کوئی بھی عالم معصوم نہیں، خطا کا امکان ہر وقت ہوتا ہے، تاہم اس کو نشانہ بنا کر طعن وتشنیع کرنا یہ بہت قبیح عمل ہے۔ جب بھی ان کی مجلس میں حاضری دیں یا ان سے کسی قسم کا مسئلہ دریافت کریں تو احسن انداز سے استفسار کریں۔ جواب ملنے پر خواہ مخواہ مزید اعتراض مت کریں۔ اس لیے کہ یہ اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کا طرزِ عمل ہے۔ اسی طرح کوئی بات خلافِ دلیل ہو تو اس میں جھگڑنے کی بجائے عالم دین کی اس طرف احسن طریقے سے راہنمائی کریں۔

علامہ ابن العربیؒ، محمد بن قاسم العثمانی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

ایک مرتبہ میں فسطاط گیا تو ایک شیخ کی مجلس میں حاضری کا موقع ملا، جن کا نام ابو الفضل الجوہریؒ تھا۔ میں نے ان کی کلام سنی، جس میں انھوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق بھی دی، ان سے ایلاء بھی کیا اور ظہار بھی۔ جب میں نے یہ سنا تو بہت عجیب لگا اور یہ بات میری طبیعت پر بہت شاق گزری، قریب تھا کہ میں اس کا رد کرتا لیکن

میں نے تحمل اور بردباری سے کام لیا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں ان کے پیچھے چل پڑا۔ گھر کے قریب پہنچے تو انھوں نے مجھے اپنا پیچھا کرتے پایا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: تم کوئی اجنبی لگتے ہو، کوئی کام یا حاجت ہے؟

تو میں نے عرض کی: مجھے ضروری بات کرنی ہے تو انھوں نے سب کو ایک طرف کر کے مجھے موقع دیا اور میری طرف متوجہ ہوئے، جب میں اور وہ تنہا رہ گئے تو میں نے کہا:

آپ نے دورانِ وعظ کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہار بھی کیا۔ حالانکہ یہ جھوٹی بات ہوتی ہے جو نبی سے صادر ہونا محال ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ اٹھے اور مجھے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرط جذبات میں کہنے لگے: میں اپنی اس گفتگو سے رجوع کرتا ہوں اور فرمانے لگے کہ تم میرے اچھے استاذ ہو، اللہ تمھیں اس کی بہتر جزا دے۔ اگلے دن جب ہم درس میں گئے تو وہ مجھ سے پہلے وہاں تھے، انھوں نے مجھے دیکھا تو اٹھ کر طلبۂ علم سے مخاطب ہوئے اور حکم دیا کہ تمام طلبہ راستہ کشادہ کر دیں، میرے استاذ تشریف لائے ہیں، جب کہ ان کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں مارے حیا کے زمین میں گڑا جاتا تھا اور بدن مکمل طور پر پسینے سے شرابور تھا۔

امام موصوف آگے بڑھے اور کہنے لگے: میں تم لوگوں کا استاذ ہو اور یہ میرے۔ اور ساتھ ہی سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے رجوع کیا اور فرمایا: جس کو میرا رجوع سنائی دے گیا وہ گواہ ہے اور غائب تک اسے پہنچا دے اس لیے کہ میں اب قولِ حق پر آچکا ہوں، پھر وہ دعا کرنے لگے اور لوگ آمین کہتے رہے۔ [أحکام القرآن لابن العربی: ۱/ ۲۴۹]

اس سے اندازہ کریں کہ علمائے حقہ کس طرح حق کی پیروی کے حریص ہوتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم احسن انداز سے ان کی راہنمائی کریں تا کہ بنا کسی کی عزت و حرمت پامال کیے اچھے نتائج حاصل کیے جاسکیں۔

علماء کو عاجز نہ کریں:

علماء سے برے اخلاق کے ساتھ پیش آنا اور ان کی بے توقیری کا ایک پہلو یہ بھی ہے

کہ ہم انھیں بار بار لایعنی سوال کر کے زچ کردیں اور ان کا وقت ضائع کریں۔ اس لیے بہتر ہے کہ علماء کو ان امور سے ہرگز پریشان نہ کریں بلکہ ان کے لیے آسانی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔جس امر کی وہ وضاحت فرمادیں اس پر اکتفا کریں۔امام زہریؒ فرماتے تھے کہ ایک حدیث کا اعادہ، پتھر کو منتقل کرنے سے بھی زیادہ بھاری ہے۔

اسی طرح شیخ کی پسند ونا پسند کا خیال رکھنا بھی حصولِ علم کا ایک ضابطہ ہے۔ ناپسندیدگی کی حالت میں علماء کے پاس گھنٹوں بیٹھے رہنا یا ان سے رابطہ کرنا ہرگز نا مناسب طرز عمل ہے۔تعلیم وتعلم اور مسائل کا حل دریافت کرنے کے لیے اوقات منظّم کرلیں تا کہ علماء کو کسی قسم کی کوفت نہ ہو۔

اسی طرح ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ علماء سے رابطے میں بہترین الفاظ منتخب کریں اورلزوم و وجوب والے الفاظ استعمال کر کے انھیں تنگی میں نہ ڈالیں۔

شیخ البانیؒ کا ایک قصہ معروف ہے کہ چندلوگوں نے ان سے ملنے کا پروگرام بنایا اور کسی مشرقی ملک سے ان کو ملنے کے لیے(جبکہ شیخ البانیؒ ان دنوں کویت میں مقیم تھے)روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر انھوں نے شیخ سے رابطہ کیا۔ان میں سے ایک نے ان سے گفتگو کی اور کہنے لگا:

شیخِ محترم!ہم دور دراز کے ملک سے آئے ہیں،آپ سے جس قدر ممکن ہوہمیں وقت دیں اور ہمارے مسائل حل کریں۔

شیخؒ اپنی عمر کے تقاضے اورامور کی انجام دہی کی وجہ سے معذرت کرنے لگےتو وہ آگے سے اصرارکرتا رہا تا آنکہ شیخ نے منع کردیا۔اس کے بعدان میں سے ایک دوسرے شخص نے ان سے بات کی اور کہنے لگا:

شیخ !آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ ہمیں کچھ وقت دے سکیں اور ہم آپ کے دروازے پر حاضر ہوں آپ اپنا سر باہر نکالیں اور ہم اس کا بوسہ لے کر واپس چلے جائیں،

اس لیے کہ لوگ ہم سے پوچھیں تو ہم آپ کے حسن اخلاق کو بیان کرسکیں۔ جب انھوں نے یہ بات سنی تو فوراً جواب ہاں میں دیا۔ یوں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کافی دیر تک ان کے مہمان بنے رہے اور انھوں نے ذرہ بھر کوفت یا تنگی کے آثار ظاہر نہ ہونے دیے۔

یہ دراصل علمائے حق کی شان ہے۔ پس اگر ان سے استفادہ کرنا ہے تو لازماً ان کی قدر کرنی ہوگی اور ان سے حسن سلوک سے پیش آنا ہوگا۔ آج کل فون پر بھی ان سے رابطہ کرنا ہو تو احسن انداز میں کریں۔ بار بار علماء کو تنگ کرنا حد درجہ معیوب فعل ہے۔ لہٰذا اس سے خود کو بھی بچائیں اور ان کے وقت کے ضیاع کا موجب بھی ہرگز مت بنیں۔

علماء کی موجودگی میں جواب دینا:

آج کل سطحی علم رکھنے والے لوگ یا طلبۂ علم میں یہ بات بڑی تیزی سے سرایت کرتی جارہی ہے کہ وہ کبار علماء کی موجودگی میں فتوے دینے اور مسائل کے حل میں کوشاں نظر آتے ہیں حالانکہ یہ بے حد مضر اور معیوب عمل ہے۔ لوگ اس برے اور قبیح عمل میں بڑے خوش نظر آتے ہیں جبکہ سلف میں یہ کام بہت برا خیال کیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ امام سفیان ثوریؒ نے سفیان بن عیینہؒ سے کہا کہ تم حدیث کیوں بیان نہیں کرتے؟ تو وہ کہنے لگے: جب تک آپ زندہ ہیں میں ہرگز بیان نہیں کرسکتا۔

[الکامل فی ضعفاء الرجال: ۱/۱۷۰]

اس بات سے علماء کے طرز عمل کا اندازہ کریں کہ وہ کبار علماء کی کس قدر عزت کرتے اور ان کی موجودگی میں درس وتدریس سے گریز کرتے تھے۔ بلکہ اصول حدیث میں یہ ایک مستقل بحث اور ضابطہ ہے کہ کبار علماء اور مشائخ کی موجودگی میں طالبِ علم کا حدیث بیان کرنا صحیح نہیں۔

دوران کلام بات کاٹنا:

سوءِ ادب کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ طالب علم دوران کلام استاذ یا شیخ کی بات کو

کاٹ دے یااس کی تردید کر دے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کے فرامین کے مخالف ہے، نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ)) [مكارم الأخلاق للطبراني : ١٤٧]

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی عزت چھوٹوں پر شفقت اور عالم کا مقام نہ پہچانے۔''

لہٰذا اس ضمن میں طلبہ علم اور عوام سے یہی گزارش ہے کہ علماء کے کلام کو مکمل سنیں۔ امام بخاریؒ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باب قائم کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

باب من سئل علما وهو مشتغل فى حديثه فاتمّ الحديث

''اس شخص کا بیان جس سے علم کی بات دریافت کی گئی اور کلام میں مشغول ہو تو وہ بات کو مکمل کرے۔''

اور اس میں روایت نقل فرمائی کہ ایک اعرابی نے نبی اکرم ﷺ سے قیامت کے وقوع کے بارے میں سوال کیا جبکہ آپ کسی اور بات میں مشغول تھے، جب بات مکمل ہو چکی تو آپ نے فرمایا: کہاں ہے وہ سائل؟ [بخاري : ٥٩]

اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں:

''عن قریب کمر توڑنے والے شدید فتنے اور نا ختم ہونے والی طویل آزمائشیں آئیں گی؛ سو بہت جلد باز، باتیں پھیلانے والے اور ہر مسئلہ میں بولنے والے مت بننا''

[الادب المفرد للبخارى: ٣٢٣ سنده صحيح]

الغرض علماء کے سامنے ادب واحترام کا پہلو یہ بھی ہے سائل دورانِ کلام صبر وتحمل اور حسن ترتیب کا خیال رکھے۔ اس میں علماء کو بھی زجر وتوبیخ یا ناراضی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے بلکہ محض اعراض کریں۔ بعدازاں اس کا تسلی سے جواب دیں۔ نیز طلبۂ علم کبھی بھی استاذ سے

مقابلہ نہ کریں۔ اگر وہ بات کر رہا ہے تو اسے لقمہ نہ دیں الّا یہ کہ از حد ضروری ہو جائے تو قاعدے کے مطابق ان سے مخاطب ہوں۔ ایک عالم دین کسی مذہب یا موقف کے دلائل ذکر کر رہا ہے تو دوسرے کسی موقف یا مذہب کو ذکر کر کے بحث کو خلط ملط نہ کریں، بلکہ ان کی بات پر توجہ مرکوز رکھیں اور اگر سقم محسوس ہو تو صورت حال بھانپ کر احسن انداز میں گفتگو کریں۔

علامہ ابن جماعہؒ نے اس بارے میں فرمایا کہ سائل، سامع یا طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیخ یا معلم کے کلام کو آخر تک سنے اور اس میں سبقت کی ہرگز کوشش نہ کرے۔ جب وہ مجلس میں ہو تو خاموش رہے اور اس کی گفتگو میں خلل نہ ڈالے۔

[تذکرة السامع و المتکلم : ۱۰۱]

علماء کی اخطاء اور ہمارا رویہ:

یہ بات تو اظہر من الشمس مسلّم ہے کہ تمام انسان بلکہ علمائے کرام میں سے کوئی بھی معصوم نہیں۔ ہر ایک سے خطا و لغزش کا صدور ممکن ہے۔ سہو، نسیان، کمی و کوتاہی کا ہو جانا کوئی عیب نہیں اور نہ ہی انسان سے یہ عام طور پر ہو جانا بعید از امکان ہے۔ پس اصلِ اصول اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان سب میں سے بہترین اور رب کا مقرب کون بننے کا حوصلہ اور صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر ان سے کسی قسم کی غلطی ہو جائے تو ہمارا ان سے کیا برتاؤ ہوگا؟ یہ ایک اہم اور بنیادی سوال ہے جس کے لیے یہ سارا رسالہ ترتیب دیا گیا ہے اور اسی کو ذہن نشین کرنے کے لیے اسے دہرایا جائے گا۔

اس سلسلہ میں دو باتیں غور طلب ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ جن علماء سے غلطی ہو جائے یا کسی مسئلۂ شرعیہ میں دوران حکم یا استنباط خطا ہو جائے تو واضح ہو جانے پر اس کو لینا یا اس پر عمل صحیح نہیں ہوگا، بلکہ دلیل کی پیروی کی جائے گی اور اقرب الی الصواب کی طرف لوٹا جائے گا۔ اس لیے کہ قوی امکان

ہوتا ہے کہ حکم کی عدم درستی یا استنباط میں نقص انسان کے عمل کو متاثر کردے ۔اس ضمن میں فقہائے اربعہ کے اقوال جن میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ اگر دلیل کے خلاف استنباط یا فیصلہ کیا گیا ہوتو ہمارے اقوال کو بھی رد کردیں، اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

[ان اقوال کو دیکھئے: إيقاظ همم أولي الأ بصار : ۵۰،۵۲،۶۲،۹۸،۱۰۷]

دوسری بات: یہ ہے کہ ان کی خطا کو اصل بنا کر ان کے دیگر فتاوی یا استدلات کو ردّ کردینا یا پھر انھیں طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا ہرگز جائز نہیں۔ حافظ ابن قیمؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

”ومن له علم بالشرع والواقع؛ يعلم قطعًا أن الرجل الجليل الذى له فى الإسلام قَدَم صالح وآثار حسنة وهو من الإسلام وأهله بمكان قد تكون منه الهَفْوة والزَّلَّة هو فيها معذور بل ومأجور لاجتهاده؛ فلا يجوز أن يُتَّبَعَ فيها، ولا يجوز أن تُهدَرَ مكانتُه وإمامتُه ومنزلتُه من قلوب المسلمين.“ [اعلام الموقعين : ۳ / ۲۲۰]

”جس شخص کو بھی شریعت اور فقہ الواقع کا علم ہے وہ یہ بات قطعاً جانتا ہے کہ جو شخص اسلام میں نیک مقام اور خیر خواہی والے امور میں جلالت کو پہنچا ہوا ہے اور اسلام و اہل اسلام کے ہاں ایک مرتبے کا حامل ہے تو اس سے کبھی کبھی خطا اور لغزش ہوجاتی ہے جس سے وہ معذور ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات اپنے اجتہاد کی بنا پر اجر کا مستحق بھی ٹھہرتا ہے۔ پس ایسے شخص کی پیروی کرنا (خاص مسائل غیر صحیحہ میں) جائز نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے دلوں سے اس کے مقام و مرتبہ کو گرانا ٹھیک ہے۔“

لہٰذا ان کی کمی ونقص پر پردہ ڈالنا ازحد ضروری ہے،جیسا کہ ارشادنبوی ﷺ ہے:

((أَقِيْلُوا ذَوِى الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُوْدَ)) [أبوداؤد ، كتاب الحدود ، باب فى الحدّ يشفع فيه: ۴۳۷۵]

''صاحب مروت لوگوں کی لغزشوں کو معاف کرتے رہو سوائے حدود کے۔''

اس اعتبار سے عموماً لوگوں کے دو طبقات ہوتے ہیں:

اول: وہ لوگ جو علماء کی اخطا پر ان کو حد درجہ پریشان کرتے ہیں اور ان پر بڑے سے بڑا حکم چسپاں کرتے ہیں۔

دوم: وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں علماء کی تقدیس کے بت ہوتے ہیں اور وہ ہر خطا کی تاویل کرتے ہیں یا پھر ان کی کوئی نہ کوئی توجیہ کرتے ہیں گویا کہ ان کے علماء کوئی مقرب ملائکہ ہوں۔

ایک طبقہ ان کے درمیان اور بھی ہے جو متوسط ہے، یہ اہل علم کو ان کے صحیح حقوق بھی دیتے ہیں اور ان کی تقدیس کا خیال بھی رکھتے ہیں لیکن ان مذکورہ دونوں رویوں سے ہٹ کر جو کتاب وسنت میں مذکور ہے اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جس قدر علماء کی اطاعت کا حکم ہے ان کی اتباع کرتے ہیں اور جہاں نافرمانی اور گناہ کا خطرہ ہو وہاں ان سے دور ہوجاتے ہیں۔

زبان درازی کے نقصانات

علماء کی شان وعصمت کے تحفظ کے ضمن میں ضروری ہے کہ زبان کے غیر ضروری استعمال کے نقصانات کو بھی ذکر کیا جائے۔ اس لیے کہ انسان پر اس کی حفاظت لازم اور واجب ہے۔ لیکن ہم سب اس میں تساہل کا شکار ہو چکے ہیں بلکہ اس کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ زبان کے خطرات و نقصانات کو جاننے کے باوجود ہم غفلت کا شکار ہیں اور خطائیں کر رہے ہیں۔ جس کا بہت سارا وبال ہم پر گناہوں کی صورت میں لازم آرہا ہے بالخصوص ان لوگوں پر جو علماء کی عزتوں سے کھیل رہے ہیں۔

اس ضمن میں پہلی گزارش یہ ہے کہ زبان ہم پر اللہ کا بہت بڑا کرم اور انعام ہے اور اللہ کے اس احسان کے مثل کچھ نہیں، نیز اس کی فصاحت ہمارے لیے کسی طور پر اللہ کے فضل سے کم نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو یہ دعا سکھلائی:

﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِي ﴾[طه : ٢٧، ٢٨]

''اور میری زبان کی کچھ گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات کو سمجھ سکیں۔''

یہ دراصل ان کے قول "ولا ينطق لساني"''میری زبان صحیح نہیں چلتی'' کے جواب میں تھا۔ خود موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کی زبان کو فصیح و بلیغ قرار دیتے ہوئے کہا:

﴿هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ [القصص : ٣٤]

''وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔''

اس لیے زبان کی قدرو منزلت کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ یہ ہم پر اللہ کا بہت بڑا

احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بلد میں اس احسان کا یوں ذکر کیا ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّـهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾ [البلد : ٨، ٩]

''کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔''

لہٰذا جب ہم اس نعمت سے محروم انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اللہ رب العزت کے اس کرم اور فضل کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ ہماری دانست میں تو گونگا وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کی ضرورت تو کیا کسی مشکل امر کی آسان سی تعبیر بھی پیش نہیں کرسکتا۔ اسے جب کوئی بات ہمیں بتلانی ہو تو کئی اعضاء کو حرکت دیتا ہے بلکہ اس سے بھی بسا اوقات وہ تشفی طلب بات نہیں کر پاتا اور نہ ہی اپنی مراد کو سمجھا پاتا ہے۔ وہ سخت کوفت برداشت کرنے کے بعد وہ مطلوبہ کام یا بات سمجھا پاتا ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ زبان ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا بڑا انعام ہے۔ کیا ہم اس کی حقیقی حفاظت کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے اسے خیر میں استعمال کیا اور غیر اخلاقی و جھوٹی باتوں سے بچایا؟ کیا ہم نے اس زبان کو علماء اور اہل حق کی بے توقیری و بے عزتی کرنے سے روکا؟ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ اس عضو کے غلط استعمال اور اس کی حفاظت نہ کرنے پر ہمیں کتنا بڑا وبال اٹھانا پڑسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے واقعۂ افک کے احوال اور سیدہ عائشہؓ کی براءت میں نازل کردہ آیات میں اس کے غلط اور ناجائز استعمال پر تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ [النور : ١٥]

''جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لے رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔''

ان سب خطرات کے پیش نظر زبان کی حفاظت اور اس کے مطلق العنان بننے سے

ڈراتے ہوئے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا﴾ [الأحزاب : ۷۰]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ [ق : ۱۸]

''وہ کوئی بھی بات نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران ہوتا ہے۔''

اسی طرح تیسرے مقام پر غیر مصدقہ اور غیر ضروری امور میں زبان کی حفاظت کا حکم انتہائی لطیف اور معنوی انداز میں دیا:

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ [الإسراء : ۳٦]

''اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔''

جبکہ زبان درازی کر کے اسلام کو نقصان پہنچانے والے منافقین کی خصلتِ بد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ ﴾ [الأحزاب : ۱۹]

''پھر جب خوف جاتا رہے تو تمھیں تیز زبانوں کے ساتھ تکلیف دیں گے۔''

نیز ان کی قلبی و زبانی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ [الفتح : ۱۱]

''وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔''

اسی طرح دوسرے مقام پر انھی کے بارے ارشاد فرمایا:

﴿وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰی ﴾ [النحل : ٦٢]

''اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ بے شک انھی کے لیے بھلائی ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے زبان کی اس خطرناکی اور ہلاکت میں مبتلا کر دینے والے وصف کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى وُجُوهِهِمْ فِي النَّارِ، إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ))

[ابن ماجه ، كتاب الفتن، باب كفّ اللسان في الفتنة : ٣٩٧٣]

''لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرانے کا باعث صرف ان کی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیاں (گفتگو) ہی تو ہوں گی۔''

اوراس کی حفاظت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ))

[بخاري ، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ٦٤٧٤]

''مجھے جو شخص دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان)اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی ذمہ داری دیدے میں اسے جنت کی ذمہ داری دیتا ہوں۔''

الحمد للہ! بہت سے لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور خود کو پاک رکھتے ہیں۔لیکن کیا ہم نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ کتنے لوگ ہیں جو اپنی زبانوں کی حفاظت کرنے والے ہیں؟ کیا کوئی ایسا دن گزرا ہے جس میں ہم نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی عزت پر حرف نہ ڈالا ہو؟ خواہ عالم ہو یا عام آدمی! ہر بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے اوراس خطرناک امر میں اپنے آپ کو جھنجھوڑے، تاکہ زبان کی حفاظت میں ہم اپنی ذمہ داری کو پہچان سکیں، اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان :

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))[بخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده : ١٠]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

کی صحیح طور پر پیروی کرسکیں اور خود کو غیر ضروری کلام سے اجتناب کرنے کی عادت ڈال سکیں، اس لیے کہ حدیث پاک میں اس کے بارے میں وعید ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ، مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا، يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْمَشْرِقِ)) [بخاري ، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان : ٦٤٧٧۔ مسلم : ٢٩٨٨]

''بندہ ایک بات زبان سے نکالتا ہے اور اس کے متعلق سوچتا نہیں (کہ کتنی کفر اور بے ادبی کی بات ہے)جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے گڑھے میں اتنی دور گر پڑتا ہے جتنا مغرب سے مشرق دور ہے۔''

شاعر نے اس بارے کیا خوب کہا ہے:

يصاب الفتى من عثرة بلسانه ولیس یصاب المرء من عثرةالرجل

فعثرته بالقول تذهب رأسه وعثرته بالرجل تبرأ على مهل

''انسان زبان کی ٹھوکر سے ہی نقصان اٹھاتا ہے، پاؤں کی ٹھوکر لگنے سے نہیں،زبان کی ٹھوکر اور لغزش اس کی عقل کو لے جاتی ہے جبکہ پاؤں کی ٹھوکر کا زخم ایک وقت کے بعد ختم ہوجاتا ہے۔''

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

احفظ لسانك أيها الإنسان لا يلدغنك إنه ثعبانُ

كم في المقابر من قتيل لسانه كانت تهاب لقاء ه الشجعانُ

''اے انسان! اپنی زبان کی حفاظت کر، کہیں یہ تجھے ڈس نہ لے کیونکہ یہ اژدھا ہے۔قبروں میں کتنے ہی زبان کے ڈسے مقتول دفن ہیں کہ جن کے سامنے آنے سے بہادر بھی ڈرتے تھے۔''

تیسرے شاعر نے کہا ہے:

الصمت زين و السكوت شجاعة فإذا نطقت فلاتكن مكثارًا

فإذا ندمت على سكوتك مرة فلتندمنّ على الكلام مراراً

''خاموشی بہت بڑی خوب صورتی ہے اور کسی کے مقابلے میں کلام سے خود کو روک لینا بہادری، پس جب تو بولے تو زیادہ کلام نہ کر، اور اگر تو اپنے سکوت پر ایک مرتبہ بھی نادم ہوا تو کلام پر بار بار ندامت اٹھانا پڑے گی۔''

امام حاتم الاصمؒ فرماتے ہیں:

"لو أن صاحب خبر جلس إليك ليكتب كلامك ، لاحترزت منه و كلامك يعرض على الله جلّ وعلا فلا تحترز "

[صفة الصفوة: ٣٩١/٤]

''اگر آپ کے سامنے کوئی خبر لکھنے والا بیٹھا ہو، تا کہ آپ کا کلام لکھ سکے تو آپ اس سے بہت زیادہ احتیاط کرتے ہیں جبکہ آپ کا کلام تو اللہ کے سامنے پیش ہوتا ہے اور آپ ذرا بھی احتیاط نہیں کرتے۔''

غیبت کی مذمت:

غیبت ایک حرام اور قبیح ترین عمل ہے۔ جو علماء و عوام سب کے لیے یکساں ممنوع ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ [الحجرات: ١٢]

''اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جب کہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے ناپسند کرتے ہو۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٨]

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں، بغیر کسی گناہ کے

جو انھوں نے کمایا ہو تو یقیناً انھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔''

نبی اکرم ﷺ نے کسی کی بھی عزتِ نفس مجروح کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ)) [مسلم، كتاب البر و الصلة، باب تحريم ظلم المسلم : ٢٥٦٤]

''ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو حرام ہے۔''

نیز خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ واعراضكم عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هَذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) [بخاري، كتاب الحج ، باب الخطبة أيام منى :١٧٣٩]

''بے شک تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس مہینہ اور اس شہر میں ہے، تا آنکہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ کہو! کیا میں نے (تمھیں اللہ کا) پیغام پہنچا دیا؟''

جبکہ غیبت کرنے والوں کو برے انجام اور ملنے والی سزا و عذاب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے انھیں جہنم میں ایسی حالت میں پایا کہ:

((لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمُشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ، فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ، قَال هَؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ، وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ)) [أبوداؤد، كتاب الأدب ، باب فى الغيبة : ٤٨٧٨]

''ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہرے اور سینے کھرچ

رہے تھے۔ تو میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں اے جبرائیل؟ انھوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت وآبرو کے درپے رہتے ہیں۔''

اس سے اندازہ کریں کہ اس شخص کا کیا انجام ہو گا جو علماء وعوام کی عزتوں سے کھیلتا ہے۔ بلاشبہ یہی تو حقیقی بگاڑ اور فساد ہے۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

"وكم ترى من رجل متورّع عن الفواحش و الظلم و لسانه يفري في أعراض الأحياء والأموات ولا يبالي مايقول."

[الجواب الكافی: ١٥٩]

''کتنے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے جو ظاہری طور پر فحش وظالمانہ امور سے بچتے ہیں لیکن ان کی زبانیں زندوں اور مُردوں کی عزتوں سے کھیلتی ہیں، کوئی پروانہیں کرتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

حافظ ابن القیمؒ کا یہ قول واقعتاً آنسوؤں سے لکھنے کو جی چاہتا ہے کہ انھوں نے کس قدر قریب سے معاشرے کی منظر کشی کی ہے اور لوگوں کی عام حالت بیان کی ہے۔ یہاں ان ضروری جزئیات کو سمیٹتے ہوئے ہم اپنے اصل عنوان کی طرف آتے ہیں۔

علماء کی غیبت کرنے کی وجوہات

علماء سے خواہ مخواہ عار محسوس کرنا:

اہلِ علم سے عار محسوس کرنے کی دو اقسام ہیں؛ پہلی قسم محمود ہوتی ہے جو کہ بدیہی طور پر کسی پسندیدہ شئے میں کسی کے غیر ضروری یا ناجائز تصرف کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ عام طور پر اگر انسان نیک ہو تو اللہ کی حرام کردہ اشیاء کے تقدس وحرمت کو پامال ہوتے دیکھ کر وہ اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کے دین دار ہونے کی علامت ہے۔ لیکن اگر وہ اس میں شدت اختیار کرلے اور اپنے دین دار ہونے کے معیار کو ہی حرفِ آخر سمجھ لے تو وہ علماء کی بھی عزتیں پامال کر بیٹھتا ہے، بالخصوص جب انھیں رخصتوں پر عمل کرتے ہوئے یا کسی بھی کمی کا شکار ہوتے دیکھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جو عمل کرتا ہوں وہی درست ہے۔ علماء تو عملی طور پر کمزور ہیں۔ یوں وہ ان سے عار محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ بھی ایک اعتبار سے اس کے حق میں درست نہیں کیونکہ اہلِ علم کے مقابلہ میں اس کی ضوٴ حیثیت عامی کی سی ہے۔

جبکہ دوسری قسم مذموم ہے اور وہ حسد کے ساتھ مل جاتی ہے۔ یہ دراصل ایسی ہوتی ہے کہ جس کا شکار ہو کر انسان اپنے بعض اصحاب کی قبولیت عامہ یا پھر ان کی نیکی وتقویٰ اور فلاح کو دیکھ کر ان پر جرح وقدح اور ناجائز گفتگو و جملے اچھالتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں وہ نفس پرستی کا شکار ہو گیا ہو یا پھر اپنے مذہب سے شدتِ تمسک اسے ایسے قبیح فعل پر ابھار رہا ہو۔ ان دونوں اقسام کا علماء میں وجود بھی ممکن ہے جس کی دیکھا دیکھی عوام الناس یا

مریدین حضرات دیگر علمائے حقہ کو بھی کسی کھاتے نہیں لاتے بلکہ ان کی عزت وتوقیر میں تنقیص کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔حالانکہ علماء کا آپس میں اختلاف ان کے اس طرزِ عمل کو ہرگز سندِ جواز فراہم نہیں کرتا کیونکہ اکثر اوقات ان کا اختلاف نصوص شرعیہ کے پیشِ نظر ہی ہوتا ہے۔البتہ جب کبھی یہ اختلاف ذاتی یاانفرادی نوعیت کا ہوتو بھی عوام کو اس میں کنارہ کش ہوکر رہنا چاہیے۔

اہلِ حق سے حسد:

حسد انسان کو اندھا اور بہرہ کردینے والا مرض اور عادتِ بد ہے۔ عام طور پر جو لوگ علماء کے خلاف باتیں کرتے ہیں اوران کو اپنی کلامِ بد کا نشانہ بناتے ہیں وہ یاتو حسد کرتے ہیں اور مال و جاہ اورعزت وشہرت کے متلاشی ہوتے ہیں جو انھیں اس حد تک گرادیتا ہے یا بسااوقات ایسا بعض نافہم اور ناعاقبت اندیش کم عمر علم دین سیکھنے والوں سے بھی سرزد ہوجاتا ہے جو ان کے ہم عصر کبار علماء تک کی عزتوں کو مجروح کرنے پر ابھارتا ہے۔ نیک علماء ان کی اس بری خصلت کی بنا پر تختۂ مشق بنے رہتے ہیں اور یہ بدطینت لوگ اپنے اعوان و انصار کے ذریعے ان علماء پر طعن کرکے اپنے نفسوں کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بسا اوقات یہ لوگ اِن علماءِ حقہ پر طعن کرکے عوام الناس میں مقبولیت، حاکمِ وقت کے ہاں عزت ومقام یا پروپیگنڈا کرکے مال ودولت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

خواہش پرستی اور علماء سے بغض وعناد:

بعض لوگ علماء کا گوشت کھانے کے اس قدر عادی ہوتے ہیں کہ انھیں ذرہ بھر اللہ کا خوف نہیں آتا اور خواہشِ نفس کے اس قدر پجاری بن جاتے ہیں کہ یہ انھیں علماء کی عزتوں سے نہ کھیلنے اور ہرقسم کے خیر وصلاح کے امور سے روکتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے گمراہ کرنے کے بارے میں خبردار کردیاہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ [ص : ٢٦]

''اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔''

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَ هُمْ﴾

[القصص : ٥٠]

'' پھر اگر وہ تیری بات قبول نہ کریں تو جان لے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔''

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص علماء کی بات کا جواب نہیں دیتا یعنی اپنی اصلاح نہیں کرتا اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ گویا کہ اپنی خواہش پرستی کا شکار ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

" صاحب الهوى يعميه الهوى و يصمّه." [منهاج السنة : ٢٥٦/٥]

''خواہش پرست کو اس کی خواہشات اندھا اور بہرہ کر دیتی ہیں۔''

دوسرے مقام پر شیخ الاسلامؒ سلف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

"احذروا من الناس صنفين؛ صاحب هوى قد فتنه هواء، وصاحب دنيا أعمته دنياه "[اعلام الموقعين:١٠٦/٢]

''دو قسم کے لوگوں سے بچو: پہلا خواہش نفس کا پجاری جس کو اس کی خواہشات نے فتنے میں مبتلا کر رکھا ہو اور دوسرا دنیادار جس کو اس کی دنیا نے اندھا کر دیا ہو۔''

تقلیدِ شخصی کے اثرات:

علمائے کرام کی اہانت اور ان پر طعن کا چوتھا سبب مذموم تقلیدِ شخصی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کے مذموم کردار اور ان کے برے کرتوتوں، ان کے آباء پرست رویوں اور ان کی گمراہ کن و ہلاکت انگیز تقلید کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُهْتَدُوْنَ﴾ [الزخرف : ۲۲]

''بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر پایا ہے اور بے شک ہم انھی کے قدموں کے نشانوں پر راہ پانے والے ہیں۔''

تقلید اگرچہ ہر اعتبار سے مذموم نہیں، جس کی تفصیلات ہمارا مقصود نہیں بلکہ ہمارا مطلوب ومراد وہ تقلید ہے جو علماء کی عزتوں کی پامالی اور ان کے تقدس کو برباد کرنے تک لے جاتی ہے۔اس کی دو اقسام ہیں۔اول یہ کہ انسان کسی امام یا دوسرے عالم کے ہر قول وفعل کو حرفِ آخر سمجھتا ہو اور اس کے مخالف کسی عالمِ دین یا اس کے فتویٰ کو برداشت نہ کرے۔نتیجتاً وہ اس کے خلاف ہوجائے اور اس کی عزت وحرمت کو ہر محفل میں پامال کرتا پھرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص سے کسی خاص عالمِ دین کی بابت کچھ غیر مناسب کلام سن لے اور پھر اسے نشر کرتا رہے۔ ہمارے معاشرے میں اس کی مثال یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو بعض علماء کے حق میں بدخواہی اور کلام کرتے ہوئے سنیں اور اس سے پوچھیں کہ کیا تم نے اس قول یا فعل کو ان سے صادر ہوتے دیکھا ہے جو تم ان سے منسوب کر رہے ہو؟ تو وہ جواب میں کسی دوسرے شخص کا حوالہ دے گا کہ میں نے یہ بات فلاں سے سنی ہے۔تحقیق کرنے پر وہ شخص بھی انکار کردے گا۔ یہ چیز یا یہ طریقہ دراصل سوءظن کا شاخسانہ ہوتا ہے اور لوگ علماء کی حرمت کا پاس نہ رکھتے ہوئے ان کے خلاف ہوجاتے ہیں۔تقلیدِ شخصی کی پہلی قسم کے بارے عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :

((ألا لا يقلّدنّ أحدكم دينه رجلاً إن آمنَ آمن ، وإن كفرَ كفَر ، فإنه لا أسوةَ في الشّرِّ)) [جامع بيان العلم وفضله : ۹۸۷/۲]

''خبردار کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے دین کی تقلید اس طرح کرے کہ اگر وہ تصدیق کرے تو یہ بھی تصدیق کردے اور اگر وہ انکار کردے تو یہ بھی انکار کردے۔ اس لیے کہ برے اعمال و کردار میں کوئی بھی نمونہ نہیں بنایا جاسکتا ہے۔''

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں :

"لا يحلّ لمن يفتي من كتبي أن يفتي حتى يعلم من أين قلت؟"

[الانتقاء:١٤٥]

''کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ میرے فتویٰ کو بنا یہ جانے کہ میں نے اسے کہاں سے اخذ کیا ہے؟، آگے نشر کرتا پھرے۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں :

"من قِلّة علم الرجل أن يقلِّد دينه الرجال"

[اعلام الموقعين:٢/٢١١]

''آدمی کے علم کے قلیل ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دین کی تقلید کرے۔''

جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو وہ سراسر کذب ہے ،جس کے بارے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"كفىٰ بالمرء كذباً أن يحدّث بكل ماسمع" [مسلم: ٥]

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرتا رہے۔

یاد رکھیں کہ علم لوگوں یا شخصیات میں منحصر نہیں بلکہ علم کا تعلق رب کے ساتھ ہے ۔شیخ مقبل بن ھادیؒ فرماتے ہیں:

''سلفی دعاۃ لوگوں کو ان کے رب کے ساتھ جوڑتے ہیں ؛شخصیات کے ساتھ نہیں''

[الامام الالمعی: ٢٤٩]

اہلِ علم سے تعصب:

علماء کے خلاف باتیں کرنے والوں کے اقوال و کردار میں غور وخوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اکثر طلبہ علم یا عوام ان کے خلاف محض ذاتی تعصب کی بناء پر ان میں طعن کرتے ہیں۔ بسا اوقات یہ تعصب مذہب، جماعت یا قبیلہ وشہر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ اس سے علماء کے مابین بھی فرقے بن جاتے ہیں، یہاں تک وہ بھی فتنے میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

بعض طلبہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ علماء کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں پھر اچانک ہی وہ بدل جاتے ہیں اور علماء کی توہین کی بجائے عزت شروع کردیتے ہیں اور ان کی توصیف وثنا میں لگ جاتے ہیں۔ وجہ معلوم کرنے پر پتا چلتا ہے کہ کچھ لوگ علماء کی عزت کرنے لگ گئے ہیں اور ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہنے لگے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں، سبحان اللہ! یہ کیسے عجیب معاملات ہیں۔ جب لوگ گمراہ ہوں تو یہ بھی ان کے ساتھ ہوجاتے ہیں اور تعصب میں آکر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور اگر وہ راست راہ پر چل نکلیں تو یہ بھی ان کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ گویا ان طلّاب و داعی حضرات نے اپنی عقلیں ان کے سپرد کی ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ دینی وابستگی پیدا کر رکھی ہوتی ہے۔ بعض تو تعصب کی اس حد میں جا پڑتے ہیں کہ اپنے شہر کے علماء کی مدح اور دیگر کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے ذرا پوچھا جائے کہ کیا تمام مسلمان بھائی بھائی نہیں؟ کیا تمام بلادِ اسلامیہ ایک جیسے نہیں؟ کیا یہ حد سے گزرنا نہیں کہ مشرق کے علماء، شرق اور مغرب کے غرب والوں سے ہی قلبی تعلق رکھیں؟ اور باقی علماء سے بغض وعناد اور تعصب کا مظاہرہ کریں؟ یاللعجب!

تعصب کی یہ بدترین صورت منہجِ سلف صالحین کے بالکل خلاف ہے۔ سلف کے منہج کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم اس طرزِ عمل کو ترک کردیں اور ہر اچھی بات کی طرف چلے جائیں، خواہ اس کے کہنے والوں سے ہماری ہم آہنگی ہو یا نہ ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ اسی تعصب کی مذمت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهذه عادة ضعفاء العقول، يعرفون الحقّ بالرجال لا الرجال بالحق."[المنقذ من الضلال: ۱۵۲]

''یہ کمزور عقل والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ حق کو لوگوں سے پہچانتے ہیں نہ کہ لوگوں کو حق کی اتباع سے۔''

خود کو بڑا عالم سمجھنا:

اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھنا اس دور کا ایک قبیح ترین فتنہ اور علماء کو ذلیل و رسوا کرنے کا بہت بڑا اور بنیادی سبب ہے۔ موجودہ دور میں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے جو اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کے لیے علماء حقہ کو بدنام کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ یہ عام طور پر نوجوانوں کا وہ ٹولہ ہے جو علمی رعب کی خاطر علمائے حق کی آراء اور ان کے فتاوی جات میں تضاد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو علماء کے کلام کو مستقل درجہ دینے کی بجائے اپنی تائید وتقویت میں استعمال کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانے میں مصروف رہتے ہیں کہ ان کے موقف کی تائید فلاں فلاں عالم نے بھی کی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ اور خطرناک امر ہے، اس لیے کہ کم علم رکھنے والا انسان یا ایسا شخص جو لوگوں کے دلوں میں اپنی علمیت بٹھانے کا دل دادہ ہو، وہ چاہتا ہے کہ لوگ دیگر علماء سے رجوع کی بجائے اس کی طرف مائل ہوں۔ جس کے لیے وہ جہالت کی تمام حدیں پار کر جاتا ہے اور لوگوں کے ایمان کو اپنے موقف یا رائے کی سختی اور اسلام کے مزاج کو نہ سمجھنے کی بناء پر خراب کرتا ہے۔

اس کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ عصری مسائل جن میں بالخصوص حکام سے متعلقہ خروج وتکفیر کی مباحث، اہل اسلام کی نواقض اسلام کی بنا پر تکفیر، مسلم ممالک کے غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت، اعتقادی مسائل میں علماء کے اختلافات پر ان سے بحث ومناقشہ

وغیرہ ہے جس میں امت کا نوجوان طبقہ بری طرح دھنس چکا ہے۔

دراصل اس پر کلام سے قبل ایک بات جاننا ضروری ہے کہ اس قسم کے مسائل میں جن علوم اور اصول وضوابط کا علم ہونا ایک عام مسلمان بلکہ کسی بھی عالم کے لیے ضروری ہے، ان میں یہ طبقہ بالکل جاہل ہے۔ یہ ابحاث خالصتاً علمی و تحقیقی ہیں جن میں ایک سادہ مسلمان پھنس کر اپنے ایمان کو داو پر لگا بیٹھتا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں نصوص پر گرفت، دقتِ نظری سے ان کا مطالعہ، علماء کی مباحث اور استدلالات کی صحیح تطبیق اور خاص طور پر عصرِ حاضر میں ان کا انطباق ہی وہ امور ہیں جن میں کوتاہ فہم طبقہ خطا کا شکار ہوجاتا ہے۔ ابتدائی گزارشات میں ہم اس قبیل سے ایک واقعہ جو اس رسالے کو لکھنے کا موجب اورسبب ہے، درج کرآئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل اس فکر کے حاملین کو جذباتیت سے صحیح تعلیمات کی غلط تعبیر وتصریح سے ورغلایا جاتا ہے جس کا نتیجہ انفرادی واجتماعی طور پر فساد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ہمارے سامنے کئی ایک ایسے نوجوان ہیں جن کو شریعت کے ابجد کا علم بھی نہیں لیکن ان کو علماء پر کفر کے فتوے لگاتے ہوئے سنتے ہیں، جس سے ہمارا خون کھولتا ہے۔ اس لیے کہ یہ بیچارے لاعلمی میں جس منہج پر چل رہے ہیں اس سے اپنا تو نقصان کررہے ہیں لیکن امت کا بھی نقصان کررہے ہیں۔

درحقیقت اس قسم کے مسائل میں جن کا خاص تعلق علماء سے ہے، اس طرح کے لوگ داخل ہوکر اس میں فتنے کا شکار ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اس قسم کی اصولی ابحاث میں جب تک علماء اپنی آراء کا اظہار نہ کریں عوام کے لیے ان میں کلام ہرگز ناجائز ہے۔ اس لیے کہ نصوص کا علم، اصول وضوابط کا استحضار، علماء کے باہمی اختلافات کی بنیادوں پر دسترس اور مختلف مسالک ومذاہب کے مابین اس قسم کے مسائل کے حل کی تجاویز پر عبور بہرحال لازمی امر ہے۔ حدتو یہ ہے کہ اس طرح کے نوجوان جو "حدثاء الاسنان و سفهاء الاحلام" کی حقیقی تفسیر ہیں، کبار علماء پرتکفیر کے فتوے لگاتے ہیں۔

اکثر اوقات نو آموز علماء ہی اس مرض کا شکار ہوجاتے ہیں اور کبار سے حسد کرنے لگ جاتے ہیں۔شیخ صالح آل الشیخ ان کونصیحت فرماتے ہیں:

''اگر کسی کا حافظہ آپ سے اچھا ہے یا کسی کا علم آپ سے اچھا ہے،کوئی لوگوں کے لیے آپ سے زیادہ نفع بخش ہے تو آپ حسد نا کریں بلکہ خوش ہوں کہ کوئی اللہ کا حق اور بندوں کا حق آپ سے بہتر ادا کررہا ہے''

[الطريق الى النبوغ العلمى: ١١٥]

المختصر،عوام الناس اور وہ طلبہ علم جن کونصوص کا صحیح علم نہیں ،نہ ہی اصولی مباحث سے ان کا شغف ہے کہ جس سے ان میں مسائلِ اعتقادیہ یا اصولیہ کوحل کرنے یا ان کی صحیح تفہیم کا داعیہ پیدا ہو،ان کے لیے اس قسم کے مجالات میں داخل ہونا ہرگز ممنوع عمل ہے۔ایسے لوگ شرعاً اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنی عبادات کوسنواریں اور ایمان کی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے''فاتقوا الله ما استطعتم'' کا مصداق بنیں۔

نفاق اورحق کی ناپسندیدگی:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایاہے:

﴿فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡن وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَ لٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡن وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّاوَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴾ [البقرة : ١٠، ١٤]

''ان کے دلوں ہی میں ایک بیماری ہے تو اللہ نے انھیں بیماری میں اور بڑھا دیا

اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت ڈالو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔سن لو! یقیناً وہی تو فساد ڈالنے والے ہیں اور لیکن وہ نہیں سمجھتے۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سن لو! بے شک وہ خود ہی بے وقوف ہیں اور لیکن وہ نہیں جانتے۔اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کی طرف اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق اڑانے والے ہیں۔''

جدید دور کے منافقین یعنی سیکولر، کمیونسٹ اور سوشلسٹ یہ اصلاً حق کو ناپسند کرتے ہیں اور علماء پر طعن کرنے میں صفِ اول کے شریک ہیں۔اس لیے کہ ان کے دلوں میں حق کی نفرت، اس کے خلاف بغض اور اس سے ناپسندیدگی شامل ہے۔افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ ہمارے ذاتی مشاہدے کے مطابق ایک مجلس جو ان جیسے لوگوں سے بھری تھی اور وہ علماء کے خلاف باتیں کررہے تھے تو ایک سادہ لوح اور نیک طبیعت انسان بھی ان کے اس فتنے کا شکار ہوگیا اور ان کا ہم نوا بن گیا۔لہٰذا اس فتنے سے بچنا ازحد ضروری ہے۔اسی طرح آج کل سیکولر طبقہ علماء کے خلاف جس قدر گھٹیا زبان استعمال کرتا ہے قلم اس کو لکھنے سے قاصر ہے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے دلوں میں دھوکا، فریب، کینہ اور علمائے حقہ اور دین کے خلاف نفرت و دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

میڈیا پر ایسے لوگوں کو بآسانی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اپنی زبان اور عمل سے ممکنہ ہر حدتک نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔درحقیقت یہ ﴿قدبدت البغضاء من افواھھم﴾ ''ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے'' کا حقیقی مصداق ہیں

اگر چہ ﴿وماتخفی صدورھم اکبر﴾ ''اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے'' سے تغافل برتتے ہیں۔

سیکولر طبقہ کے پھیلائے ہوئے جال:

آج کل کے سیکولرازم کے دل دادہ لوگوں کا اقتدار تب تک مکمل نہیں جب تک علمائے حقہ اس روئے زمین پر موجود ہیں اور انھیں اس حقیقت کا شعوری طور پر ادرک بھی ہے۔ اس لیے کہ علماء جو ایک شان وشوکت اور علمی رعب وہیبت کے مالک ہوتے ہیں، بالخصوص اپنے علاقوں میں تو وہ ان کے مکروہ عزائم اور پروپیگنڈوں کا پردہ چاک کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ یہ لوگ ایک منظّم طریقے سے ان علماء کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ علماء کی شان مسخ کرنے اور ان کی قدر ومنزلت کے خاتمہ کے لیے اشارے کنائے اور زیر زمین سازشوں سے کام لیتے ہیں۔ یہ بات ہم بنا دلیل نہیں کہہ رہے بلکہ اس کے قوی اور حقیقت سے قریب تر دلائل موجود ہیں جن کا ہم روزمرہ زندگی میں عملی مظاہرہ بھی ملاحظہ کرتے ہیں اور ان کے متعلق کئی سیکولر لوگوں سے معلومات بھی حاصل کی ہیں جو اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ لوگ عام لوگوں کے قلوب واذہان پر غلبہ پا کر علماء کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ اس کی واضح مثالیں میڈیا پر چھائے وہ نمائندے ہیں جو علماء کو اپنی نشریات میں بلا کر اختلافی امور پر انھیں لڑواتے ہیں بلکہ کچھ منظّم جماعتیں بھی اس کام میں بڑی مہارت سے کام کرتی ہیں۔ شیخ ابو اسحاق الحوینیؒ فرماتے ہیں:

> ''دیسی لبرلز اور سیکولرز کا معاملہ یہ ہے کہ یہ اپنا کھانا پینا تو مغرب سے کرتے ہیں مگر پیشاب پاخانے کے لیے ہمارے یہاں چلے آتے ہیں''
>
> [دروس و عبر: ٦٤]

ꭥꭥꭥꭥ

علماء پر طعن کے اثرات

علماء پر جب ناجائز الزامات اور بہتان تراشی کی جائے، انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے یا ان کی کلام کو ذلیل لوگوں کا کلام ثابت کیا جائے تو یقیناً اس کے نتائج ازحد خطرناک ہوں گے۔ معاشرے پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے اور لوگ علماء کی بے توقیری کرتے نظر آئیں گے۔اس طرح ان کی نہ تو عزت باقی رہے گی اور نہ ہی حق کے لیے ان کی جہود و مساعی کو تسلیم کیا جائے گا۔ذیل میں ہم اس قسم کے چند برے اثرات درج کرتے ہیں جو علماء کی مخالف کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔اور ان سے علماء کی ہتک لازم آتی ہے اور ان کی عزتِ نفس مجروح ہونے کے ساتھ دینی معاملات پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

دینی آراء کے ردّ کا سبب:

علماء پر جرح کرنا،ان کے حق پر ہونے اور صحیح اقوال کو رد کرنے کا موجب ہے۔علماء پر کی جانے والی اس قسم کی جرح اور کلامِ بد کوئی شخصی جرح نہیں جیسے کسی عامی آدمی پر ہو بلکہ اس کے بہت متاثر کن نتائج سامنے آتے ہیں کیونکہ یہ بلاواسطہ اس دینِ حنیف پر جرح ہے جس کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ ظاہراً شخصی اعتراض ہی ایسی چیز ہے جو حد سے تجاوز کرتے ہوئے ان کے کلام و فتاویٰ کو، جو حق کی تائید و نصرت میں ہوں، رد کرنے کا موجب ہے۔اسی لیے مشرکین مکہ نے بعثت کے ابتدائی ایام ہی میں نبی اکرم ﷺ کی ذات میں طعن کیا اور کھلم کھلا اسلام کو کچھ نہ کہا۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں

رسول اللہ ﷺ کی ذات وشخصیت کو مسخ کرنے کا بہترین اثر یہ ہوگا کہ لوگ ان کے لائے ہوئے حق کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے پروپیگنڈا کر کے آپ کو جادوگر، کاہن اور مجنوں کہنا شروع کر دیا لیکن اللہ کے فضل وکرم سے وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ وہ بعثت سے قبل نبی اکرم ﷺ کو امین اور صادق کہا کرتے تھے اور آپ کو اپنے معاملات میں فیصل وجج مانتے ہوئے مکمل اعتماد کرتے تھے۔ آپ دیکھیں کہ کس چیز نے ان کے رویے کو بدل دیا؟ وہ کیا عنصر تھا جس کی بنا پر انھوں نے آپ کو جادوگر وکاہن کہنا شروع کر دیا؟ حالانکہ آپ وہی تھے۔ یہ صرف ان کا وہ ناپاک مقصد تھا جس سے وہ نبی اکرم ﷺ کے دعوتی منہج کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ انھوں نے یہی طریقہ ڈھونڈا کہ کسی طرح لوگوں کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کے خلاف نفرت بھر دی جائے اور آپ کا کردار مسخ کر دیا جائے۔ جس طریقہ سے وہ لوگوں کو حق سے دور کرتے رہے، آج بالکل یہی طریقہ اِن منافقین کا ہے، جو علماء پر طعن کر کے لوگوں کو ان سے دور کرتے ہیں۔ کبھی تو ان کے اقوال میں تضاد پیدا کر کے اور کبھی ان کی نجی مجالس میں ان کی سرگرمیوں پر تبصرے کے ذریعے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

لہٰذا اس بات کو ذہنوں میں راسخ کرلیں کہ علماء پر جرح علمِ دین پر نقب ہے۔ علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی وارثت دراصل دین اور علم شرعی ہے، پس منافق، جاہل اور متعصب قسم کے لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ انبیاء کی میراث کے مستحقین اور ان کے بعد فریضۂ دین کی ادائیگی کرنے والوں کو متہم کر دیں۔ یہ درحقیقت کفار کی اسلام دشمن پروپیگنڈے کا ہی نتیجہ ہوتا ہے جس سے عام لوگ متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے اور وہ ان پر نقد کرتے ہیں، جو دراصل میراث الانبیاء بلکہ بذاتِ خود انبیاء پر اور ان کے طرزِ عمل پر جرح ہوتی ہے، یہی وہ بات ہے جو ابن عباس ؓ نے فرمائی:

((من آذى فقيها فقد آذى رسول الله ﷺ ومن آذى رسول الله

ﷺ فقد آذى الله عزوجل.)) [الفقه و التفقه : ١٤٣/١]

’’جس نے کسی فقیہ کو تکلیف دی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کے رسول کو تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔‘‘

طلبہ علم کا ناجائز کلام اور اس کے مفاسد:

غیر ضروری اور بلا مقصد کلام جو محض اس لیے ہو کہ اس دور کے علماء پہلے جیسے نہیں رہے تو یہ امر طالب علموں کو علماء امت سے دور کر دیتا ہے اور وہ بنا کسی امام یا شیخ کے خود کو حصولِ علم میں لگا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب طالب علم اپنے کسب علم میں بنا کسی راہنما کے چل پڑیں گے اور حقیقی علماء کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے تو معاشرہ میں جہالت اور بے دینی عام ہوجائے گی بلکہ خود طالب علم بھی علماء سے دور ہوجائیں گے۔ ان کے نزدیک یہ تصور عام ہو جائے گا کوئی عالم ربانی اب اس دنیا میں نہیں جو اپنا فرض منصبی صحیح ادا کر رہا ہو۔ اس طرز فکر سے خود ان کی غلطیاں بڑھ جائیں گی، کیونکہ وہ علماء سے تو رجوع نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ خود بھی راہ حق سے بھی ہٹ جائیں گے اور عوام کو بھی گمراہ کریں گے۔ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ آج کل ہمارے قرب وجوار میں کتنے ہی ایسے جذباتی اور کم علم نوجوانوں ہیں جنھوں نے اسی کو اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔

علماء کی قدر ومنزلت کا خاتمہ:

علماء پر طعن وجرح ،امت میں ان کی قدر کھو دینے کا سبب ہے۔ جب علماء پر اس قدر جرح کی جائے جو ان کے حق میں بہتر نہ ہو تو اس کے نقصانات و اثرات میں یہ بات لازم آتی ہے کہ عوام الناس جو کہ ان کی علمی ہیبت، رعب و دبدبہ اور اپنے دلوں میں ان کی قدر و منزلت بھرپور رکھتی ہے، وہ اس سے یکسر عاری ہوجاتی ہے۔ یہ چیز اللہ کے دین کے دشمنوں کو خوشی ومسرت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ہم نے علماء کی تنقیص و اہانت میں لوگوں کو بعض علماء کے بارے میں یہاں تک کہتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں شیخ یا عالم کو آپ چند روپے یا تھوڑی

سی عزت دے کر من چاہا فتوی لے سکتے ہیں۔عصر حاضر میں اکثر ممالک ایسے ہیں جہاں لوگوں نے علماء کی قدر و منزلت کھو دی ہے، اس لیے کہ انھوں نے سیکولرازم جیسے نظاموں سے جو درس لیا ہے اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ وہاں علماء کی تحقیر ہوتی ہے۔ ایسے بھی معاشرے ہیں جہاں پر اس بات کا مشاہدہ کرنے کو ملتا ہے کہ لوگوں کے اذہان میں علماء کے متعلق غلط تاثرات پنپ رہے ہیں اور وہ علماء کو بے وقعت اور نچلے درجے کا گروہ تصور کرتے ہیں۔

دشمنوں کی چالیں کامیاب ہوجانا:

علماء کی بے توقیری کا ایک بڑا نقصان یہ سامنے آیا ہے کہ اپنوں نے دشمنوں کی چالوں کو کامیاب کرنے میں ان کی مدد کی ہے۔ وہ مختلف طریقوں سے ان پر طعن کرتے ہیں، مثلاً ہمارے ملکوں میں تو یہ نظام رائج نہیں البتہ جن ممالک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام رائج ہے اور اس کام کے لیے باقاعدہ جماعتیں اور شعبہ جات ہیں اور انھیں حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہے تو وہاں کے لوگ ان شعبہ جات سے جڑے علماء کی بے توقیری کرتے اور ان کی پگڑیاں اچھالتے ہیں۔اپنی نجی محفلوں میں بیٹھ کر ان کی عزتوں کی دھجیاں بکھیرتے ہیں اوراعتراضات سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی سے متعلقہ معاملات کو بھی بے جا تنقید سے خراب کردیتے ہیں، مثلاً یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ حسبہ (ایک نظام جس میں لوگوں کی شرعی اعمال کی ادائی میں سستی اور غفلت پر مؤاخذہ کیا جاتا ہے) والوں نے فلاں مقام پر غلط طریقہ اختیار کیا ہے یا پھر انھوں نے فلاں شخص کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ وہ برا شخص تھا۔ جبکہ ہمارے معاشرے میں بلاخوف وخطر لوگ علماء کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے اور ان کی دینی سرگرمیوں پر کھلے عام جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے جا اور غیر مناسب تنقید کرتے ہیں۔اس طرز کے نقصانات کی ایک طویل فہرست بن سکتی ہے جو دراصل دین اسلام کی مقبولیت کے دائرہ کار کو تنگ کرنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح قاضی جو کہ حکومت کی طرف سے متعین ہوتے ہیں اور بالخصوص بعض عرب ممالک میں شرعی فیصلے کرتے ہیں،لوگ ان پر بھی طعن کرتے ہیں۔ اور ماحول کو ان کے خلاف کرنے کی سعی کرتے ہیں۔کبھی یہ کہیں گے کہ فلاں جج نے بہترین گاڑی کیسے لی ہے، فلاں نے اتنا بڑا گھر کیسے لیا ہے، فلاں جج معاملات کو لٹکائے رکھتا ہے وغیرہ۔ بلکہ یہاں تک بد اعتمادی اور سوءِظن کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں کہ ہمیں ان ججوں اور شرعی فیصلہ کرنے والوں کی ضرورت نہیں،انگریزی قانون ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔سبحان اللہ!

جہاں تک تعلق ہے داعی حضرات کو مطعون ٹھہرانے کا تو لوگ ان کو بھی معاف نہیں کرتے بلکہ ان کو ایسے القابات سے پکارتے ہیں کہ ہم نے انھیں پہلے کبھی سنا ہی نہیں۔کبھی تو انھیں حد اعتدال سے ہٹے ہوئے متشدد شمار کرتے ہیں اور کبھی بالکل ہی ان کے اقوال وافعال کو رد کرتے ہیں۔اور ناجائز وغیر ضروری تمام تر باتیں اور اعمال وکردار کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب حاسدین اور ملت اسلامیہ کے مخالفین کا کیا دھرا ہے۔ جسے ہم ان کی دیکھا دیکھی اس طرح کرتے ہیں کہ گویا حق بجانب ہیں حالانکہ علماء و دعاۃ پر کلام کرنا دراصل دین میں عیب جوئی کرنا ہے۔ یہ بعینہ قوم شعیبؑ کا سا عمل ہے جو انھوں نے اپنے پیغمبر سے روا رکھا اور کہنے لگے: ''ما نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُوْل''، ہم نہیں سمجھ پاتے جو تو کہتا ہے!،اور کہا:'' يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ'' اے شعیب! کیا تیری نمازیں تجھے حکم دیتی ہیں کہ (تو ہمیں حکم دے) کہ ہم یہ کام ترک کردیں؟

الغرض، مذکورہ تمام تر صورتیں وہ ہتھکنڈے اور چالیں ہیں جو داعی اور علماء حضرات کی مساعی اور دین کے لیے دی گئی قربانیوں کو بے حیثیت کردیتی ہیں لہٰذا اس قسم کے طرزِ عمل سے ہمارا بچنا لازمی اور ضروری ہے، ورنہ ملت اور دین دونوں برباد ہو جائیں گے۔

صحیح منہج اور ان مسائل کا حل

اس حوالے سے علماء کے لیے سب سے پہلا درس یہ ہے کہ وہ خود کو پابندِ شریعت رکھیں اور ہر قسم کے رذائلِ اخلاق سے خود کو بچائیں۔شیخ محمد علی الفرکوس حفظہ اللہ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''دلوں کے امراض سے بچو؛ مشہوری کی چاہت، اخیار پر طعن اور ان پر ہاتھ صاف کرنا، ضروری تعلیم و تزکیہ کے بغیر دعوت کے میدان میں کود پڑنا: ان امور سے بچنا لازم ہے''

[مقالات للشيخ الفركوس: ٢١]

علماء کے خلاف کلام کرنے اور انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے پر جو اثرات سامنے آتے ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد مناسب ہے کہ اس قضیے کے خاتمے اور اس سے نجات پر گفتگو کی جائے۔ اس ضمن میں علماء کی ذمہ داریوں پر بھی گفتگو کی جائے گی اور بد باطن لوگوں کے طرز فکر کی اصلاح کے ساتھ درست راستے کی نشان دہی اور علماء کے خلاف غیر ضروری زبان درازی کی مذمت بھی بیان کی جائے گی۔

شکوک وشبہات سے خود کو بچانا:

سب سے پہلا امر یہ ہے کہ علماء خود کو ایسے امور سے حد درجہ بچائے رکھیں جو انھیں ذلیل و رسوا کرنے اور لوگوں کی نظروں سے گرا دینے کا سبب بنتے ہیں۔

اس سلسلے میں دلیل خود نبی اکرم ﷺ کا فعل ہے کہ آپ گلی میں اپنی بیوی سے مخاطب

تھے، پاس سے دو صحابی گزرے تو آپ نے انھیں رکنے کو کہا اور ان کے پاس جا کر فرمایا:

"عَلَى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ "[بخاري : ٢٠٣٥]

''کسی سوچ کی ضرورت نہیں، یہ تو (میری بیوی) صفیہ بنت حیی ہیں۔''

آپ اندازہ کریں کہ نبی اکرم ﷺ جن کے بارے میں کسی صحابی کو ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں ہوسکتا وہ خود کو اعتراضات سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کے افکار اور ان کے طرزِ عمل میں آپ ﷺ کے بارے میں کجی کا ہرگز گمان نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ "إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِئ مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ" [بخاري : ٣٢٨١] ''شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔''

اس لیے نبی کریم ﷺ بھی اس قسم کے بعض معاملات میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں جن کو اپنا کر علمائے حقہ اپنے آپ کو محفوظ کر سکتے ہیں۔

علماء کو اپنے قول وفعل میں نمونہ ہونا چاہیے:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے قول وفعل میں مخالفت کی مذمت کی ہے اور اس کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة : ٤٤]

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟''

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ [الصف : ٣،٢]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک

ناراض ہونے کے اعتبار سے بڑی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے''

اسی طرح عالم بے عمل کو جو سزا روز قیامت ملنی ہے اس پر نبی کریم ﷺ کی حدیث بھی مشہور ومعروف ہے۔ایک شاعر نے بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

يا أيها الرجل المعلّم غيره هلّا لنفسك كان ذا التعليم

لا تنه عن خلق و تأتي غيره عار عليك إذا فعلت عظيم

''اے دوسروں کو علم سکھانے والے انسان، اپنے نفس کی خوب خبر رکھ ۔ ایسی عادت سے لوگوں کو ہرگز مت روک کہ بعد میں تو خود اسے کرتا پھرے، جب تو ایسا کرے گا تو یہ تجھ پر بہت بڑی عار ہوگی۔''

عالم،فتوی کی حقیقی اہلیت اور شروط سے متصف ہو:

یہ امر اس لیے ضروری ہے کہ اگر وہ صلاحیت و اہلیت سے خالی ہے تو پھر یہ چیز اس کے حق میں کسی طور بہتر نہیں ۔ بلکہ لوگ اس کے فتاوی میں سقم اور دلائل کا نقص تلاش کر کے اسے مطعون ٹھہرائیں گے۔ لہٰذا جب اس سے کسی معاملہ میں رائے طلب کی جائے یا اس سے فتوی مانگا جائے تو وہ اس میں تامّل اور غور وفکر کرے۔فتوی دینے کے اسباب پر غور کرے، اپنے فتویٰ پر بعد ازاں مرتب ہونے والے اثرات پر غور کرے۔اسی طرح فتویٰ کے حقیقی مقصود و مطلوب کو جاننے کی کوشش کرے۔ پھر خود اپنے اندر مفتی کی شروط کو پورا کرے اور مطلوبہ اہلیت کے لیے تمام علوم بالخصوص فقہ الفروع، فقہ الاصول اور فقہ الواقع سے بخوبی آشنا ہو۔ یہ بات بالکل ہی غیر مناسب ہے کہ کوئی آدمی آ کر کہے کہ فلاں معاملہ اس اس طرح ہوگیا ہے اور پھر مفتی یا عالمِ دین بنا کسی تحقیق و تدقیق یا دلائل کی تلاش کیے فتوی جاری کر دے۔ بعد ازاں خطا پر لوگ اس کی عزت نفس مجروح کرتے پھریں اور اس کی جلد بازی و دلائل پر عدم اطلاع کے سبب اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے رہیں۔

اسی طرح دوسرا اہم امر اس حوالے سے یہ ہے کہ اہلِ علم حضرات کو فقہ الواقع اور اس

قبیل کے دیگر علوم پر بھی مہارت ہو۔جدید معاشرتی نظاموں،سیاسی عوامل اور اقتصادی پالیسیوں پر گہری نظر ہو۔وقت کے بدلتے تقاضوں کے پیشِ نظر جدید علوم کو سیکھنا اور ان کو سامنے رکھتے ہوئے فتویٰ دینا ان کی اہلیت وصلاحیت میں اضافہ کرتا ہے، نیز لوگوں کو پیش آنے والے جدید مسائل کا حل معاشرے میں ان کی اہمیت اور مقام ومرتبے کو اجاگر کرتا ہے اور ایک عالمِ دین کا طرہ امتیاز ہوتا ہے کہ وہ امت کے مسائل کو قدیم وجدید ہمہ قسم کے علوم کی روشنی میں حل کرتا ہے۔

اسی طرح عالمِ شرعی کے لیے لازم ہے کہ وہ نصوص پر گہرا درک رکھتا ہو۔اس لیے کہ مسائل کے حل میں شریعت کو مقدم رکھنا اس پر فرض ہے۔اور جو عالمِ دین خود کو شریعت کا پابند کہتا ہے اس کے لیے دعوت و اصلاح کے منہج میں نصوصِ شریعت کا التزام ضروری ہے نا کہ معاصر مفکرین کی عقول اور ان کے فلسفوں کا۔ بلکہ جب اس سے مسئلہ دریافت کیا جائے یا وہ کچھ تحریر کرے تو ازحد کتب بینی کرے تا کہ کسی علمی تسامح یا سہو کی گنجائش ہی پیدا نا ہو۔ شیخ بکر بن ابو زید ؒفرماتے ہیں:

میں نے جو بھی کتاب لکھی ہے اس کے لیے کم از کم دوسو کتب کا مطالعہ ضرور کیا ہے''

[شیخ بکر بن ابو زید، سیرته و أخباره: ۲٤۳]

دھوکہ،غفلت اور تدلیس سے محفوظ رہے:

بہت سے علماء ایسے ہوتے ہیں جولوگوں کی چالوں کا اپنے سادہ لوح ہونے کی وجہ سے شکار بن جاتے ہیں۔ کچھ ان کی طرف سے غفلت کا شکار ہوجاتے ہیں جس کی خبر انھیں نقصان اٹھانے کے بعد ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ علماء کے ساتھ تدلیس ودھوکا دہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور معاملات ان پر پوشیدہ کردیتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ایک عالم دین پر واجب ہے کہ وہ بہت زیادہ ذہانت کا مظاہرہ کرے اور خود کو چوکنا رکھے جیسا کہ عمرؓ

فرمایا کرتے تھے:

"لست بالخبّ ولا الخبّ يخدعني" [ادب الدنیاو الدین:۲۵]

''نہ تو میں مکار ہوں اور نہ ہی کوئی دغاباز مجھے دھوکہ دے سکتا ہے''

یادرہے کہ یہ چیز دل کی سلامتی کے خلاف بھی نہیں اور نہ ہی ظاہری اسباب اختیار کرنے کے منافی ہے بلکہ یہ تو ایک قسم کی احتیاط اور خود اپنی ذات اور دین کا تحفظ ہے۔

عالم دین کو حق پرست اور نڈر ہونا چاہیے:

بہادری اور بیانِ حق جیسے معاملے میں کسی قسم کی کوئی ملامت گری اسے نیکی سے نہ روکے۔ دراصل حق پرستی میں جرأت کا مظاہرہ کرنا علماء کی ایسی صفت ہے جس کا ان میں پایا جانا لازم ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ نہ ہوگی تو کبھی بھی وہ نہ تو منکر کا رد کرسکیں گے اور نہ ہی نیکی کی ترغیب دلاسکیں گے اور نہ ہی کسی بھی فسادی کو علی الاعلان یہ کہہ سکیں گے کہ تو نے برا کیا۔ سلف اس معاملے میں آج کے علماء کے لیے نمونہ ہیں جو ببانگ دہل انکار علی المنکر کرتے تھے۔

مثال کے طور پر ابوسعید الخدریؓ کا مروان بن حکمؒ کے سامنے ڈٹ جانا اور اپنے موقف کا علی الاعلان اظہار کرنا، یہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔ جب مروان مسجد میں داخل ہوا اور سیدھا منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے اسے پکڑ کر کھینچا اور کہا:

غيّرتم والله [بخاری:۹۵٦]

اللہ کی قسم! تم نے سنت بدلی ہے!

ابوسعید خدریؓ نے انھیں اس منکر پر اعلانیہ روکا۔ ایسا نہیں کہ کاغذ پر لکھ دیا ہو اور اسے اپنے اور اس کے مابین راز سمجھا ہو، بلکہ حق کا پرچار کھل کر کیا۔ اس لیے کہ یہ ایسا مقام تھا جہاں اگر سکوت کیا جاتا تو اس سے ایک سنت کا خاتمہ ہوجاتا۔

اس عمل میں اکثر شدید مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے کیونکہ اہل البدع اس قسم کی

اصلاح کو ناپسند کرتے ہیں اور بغض رکھتے ہیں۔ محدث احمد بن سنان الواسطیؒ ان کے اس طرزِ عمل کی نشان دہی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دنیا میں کوئی بھی بدعتی ایسا نہیں جو اہلِ حدیث سے بغض نا رکھتا ہو''

[معرفة علوم الحديث: ٦]

اسی طرح دوسری مثال اپنے وقت کے امام عز بن عبدالسلامؒ کی ہے جو سلطان العلماء بھی ہیں، انھوں نے بادشاہِ وقت، ملک صالح ایوب کی مخالفت کی۔ جب عز بن عبدالسلامؒ نے دمشق میں واقع جامع بنوامیہ میں خطبہ دیا تو یہ دعا کی:

" اللهم أبرم لهذه الأمة أمراً رشداً، يُعَزُّ فيه أهلُ طاعتك ويُذَلُّ فيه أهل معصيتك و يؤمَر فيه بالمعروف و يُنهَي فيه عن المنكر."

''اے اللہ اس امت کو ایسی رشد و ہدایت عطا فرما جس میں تیرے فرماں برداروں کو عزت دی جائے، اور تیرے نافرمانوں کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے، اور جس میں نیکی کے کاموں کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے''

اس کے بعد انھوں نے لوگوں کو فتوی دیا کہ وہ عیسائیوں کو اسلحہ مت بیچیں جو وہ دمشق سے خریدا کرتے تھے۔ بادشاہ اس پر غضب ناک ہوگیا اور اس نے امام موصوف کو اس جیل کی کوٹھری میں ڈلوادیا، جہاں امام احمد بن حنبلؒ کو ڈالا گیا تھا۔ یوں یہ لوگ "اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ " کے حقیقی مصداق ٹھہرے۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ بعد ان کے قریبی دوست اور مصاحب کو بھیجا کہ انھیں جا کر مائل کرے کہ اگر وہ بادشاہ سے معذرت کرکے ان کے سر کا بوسہ لے لیں تو انھیں معاف کر دیا جائے گا۔ جب وہ پہنچے اور صورت حال سے آگاہ کیا تو امام صاحب یہ سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور فرمانے لگے: "دعك عنّي " مجھ سے دور ہوجا۔

اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ بادشاہ میرا ہاتھ چومے۔ اللہ نے مجھے اس سے بچا رکھا ہے جس میں اس نے تمھیں مبتلا کیا ہے۔ تم سب لوگ ایک وادی میں ہو اور میں دوسری

وادی میں۔

اس دوران بادشاہ عیسائیوں کے مقابلے میں اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے نکلا تو عز بن عبد السلامؒ کو ساتھ ہی ایک خیمے میں قید کر کے لے گیا۔ جب یہ عیسائیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا تو امام موصوف تلاوت فرما رہے تھے۔ ان کی آواز مجلس میں پہنچی تو عیسائیوں نے ان کے معاملے کے متعلق دریافت کیا۔ بادشاہ نے کہا: ''یہ ہمارا قسیس ہے'' گویا اس نے ان کو عالم نہ کہا۔ عیسائیوں نے نظر بندی کی وجہ پوچھی تو بادشاہ نے کہا کہ اس نے تمھیں اسلحہ نہ بیچنے کا حکم دیا ہے۔

عیسائیوں نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! یہ ہمارا مذہبی پیشوا ہوتا تو ہم اس کے دونوں پاؤں دھو کر پی جاتے۔ یہ سن کر ملک صالح ایوب کو سخت خجالت کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے امام موصوف کی آزادی کا حکم نامہ جاری کر دیا۔

[مائة من عظماء امة الاسلام:٢٦٨]

دورانِ مناظرہ و بحث عالمِ دین کو خود پر مکمل کنٹرول ہونا چاہیے۔امام ابن قدامہ المقدسیؒ بہت ہنس مکھ شخصیت تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ اپنے مخالف کو اپنی مسکراہٹ سے مارڈالتے ہیں۔

[الذیل علی طبقات الحنابلة لابن رجب: ج ٣ ص ٢٨٨]

علماء پر آنے والی ابتلاء وآزمائش کے بارے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں میں سے جس کو آزمائش میں سے نکالنا ہوتا ہے، بعض اوقات تاخیر صرف اس لیے کرتا ہے کہ وہ انہیں نکھارنا اور ان کے ثواب میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے''۔ [فتح الباری: ج ٦ ص ٤٨٣]

بقول علامہ محمد اقبال:

ؔ تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے فقط تجھے اونچا اڑانے کے لیے

یہ وہ چیزیں ہیں جو ایک عالم کے حق پرستانہ رویے کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کو علم وایمان سے بھر دیتی ہیں۔ وہ حق کی پیروی میں کسی کی ملامت گری کا خیال نہیں کرتا اور ہمیشہ اپنی ذمہ داری کو نبھاتا ہے۔ وہ اپنی عزت کو لوگوں سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے تیز طرار جملوں اور باتوں سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ فتنے کے خوف میں مبتلا ہونے والا شخص کبھی حق کو شجاعت و بہادری سے پیش نہیں کرسکتا جس کی وجہ سے وہ محتاط رہتا ہے۔

طلبہ علم اور عوام الناس پر عائد ہماری ذمہ داریاں

یہاں تک تو ان امور کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھیں خود علماء کو پورا کرنا لازم ہے تاکہ وہ خود اپنے آپ کو اور اپنے دین کو لوگوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ ذیل میں عوام اور طلبہ علم پر عائد ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا پورا کرنا علماء کی عزت و آبرو کو محفوظ کرنے کے لیے ہم پر فرض ہے۔

علماء کے علمی مقام و مرتبے کا لحاظ رکھیں:

اس ضمن میں پہلی گزارش یہ ہے کہ ہم علماء کے علمی مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے امت کی ترقی و بہتری کے لیے کی گئی ان کی کوششوں کی حفاظت کریں اور ان سے ادب کے ساتھ پیش آئیں۔

اس قسم کے معاملات میں سلف ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ انھوں نے اس حوالے سے جو آداب طالب علم کے لیے بیان کیے وہ نور ہیں، جن سے راہنمائی لینا اور ان کا اختیار کرنا متلاشیانِ علم کے لیے از حد ضروری ہے۔ ذیل میں کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کے مراتب اور ان کی عزت و شرف کا اعتبار کرنا عوام اور صغیر علماء اور طلبہ کرام پر کس قدر لازمی امر ہے۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں:

”لا ينبغي للمحدّث أن يحدّث بحضرة من هو أولى منه بذلك، و كان إبراهيم و الشعبي إذا اجتمعا لم يتكلّم إبراهيم بشيء“

[معرفة انواع علوم الحديث:٢٣٩]

''کسی محدث کے لیے جائز نہیں کہ اس سے بڑا محدث موجود ہو اور وہ حدیث بیان کرے۔امام ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہم اللہ عنہما جب اکٹھے ہوتے تو ابراہیم ہرگز کلام نہ کرتے تھے۔''

امام شافعیؒ کے بیٹے فرماتے ہیں:

"ما سمعت أبي ناظراً أحداً قطّ فرفع صوته"

[تهذيب الاسماء واللغات: ٦٦/١]

''میں نے اپنے باپ کو کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے کسی سے مناظرہ کیا ہو اور ان کی آواز بلند ہوگئی ہو۔''

یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں:

"الذي يحدّث بالبلد وفيها من هو أولى منه بالتحديث فهو أحمق" [الجامع لاخلاق الراوى:٣١٩]

''جو محدث اپنے شہر میں حدیث بیان کرے جبکہ وہاں اس سے بڑا محدث موجود ہو تو وہ احمق ہے۔''

سیدنا ابن عباسؓ کا قصہ معروف ہے کہ انھوں نے ایک سال تک سیدنا عمر بن خطابؓ سے ادباً سوال نہ کیا۔[بخاری:۲۴۶۸]

امام طاوسؒ فرماتے ہیں:

"من السنّة أن يوقّر العالم " [فتح المغيث: جلد٣،ص٢٨٦]

''سنت یہ ہے کہ عالم کی عزت وتوقیر کی جائے۔''

امام زہریؒ فرماتے ہیں:

"كان سلمة يماري ابن عباس فحرم بذلك علماً كثيراً "

[التمهيد:٦٠/٧]

''ابوسلمہ (بن عبدالرحمٰن اپنے استاذ) ابن عباسؓ سے جھگڑتا تھا، اس لیےعلم کے حظِ وافر سے محروم رہا۔''

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

"ما رأيت أحداً أوقر للمحدّثين من يحيى بن معين"

[الاعلام بحرمة اهل الاسلام:٢٠٧]

''میں یحییٰ بن معینؒ سے بڑھ کر محدثین کی عزت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

مغیرہؒ کہتے ہیں:

"كنا نهاب إبراهيم كما نهاب الأمير"

[تذهيب تهذيب الكمال: /١]

''ہم اپنے شیخ ابراہیم سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح امیر سے ڈرا جاتا ہے۔''

امام عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:

"أن الرجل ليحدّثني بالحديث، فأنصت له كأني لم أسمعه أبداً، وقد سمعته قبل أن يولد."[سير اعلام النبلاء:٨٦/٥]

''کبھی کبھی میرے سامنے کوئی شخص کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس کے سامنے اس طرح خاموش ہو جاتا ہوں کہ جیسے میں نے اس حدیث کو کبھی سنا ہی نہیں، حالانکہ وہ حدیث میں اس کی پیدائش سے بھی پہلے سن چکا ہوتا ہوں۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

وماكلمت احدا قط الا ولم ابالى بيّن الله الحق على لسانى او لسانه"[الفقه والتفقه:٤٩/٢]

''میں نے جب بھی کسی سے کلام (مناظرہ) کیا تو پروانہیں کی کہ اللہ میری زبان پر حق چلا دے یا اس کی زبان پر۔''

امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں گزر چکا ہے کہ ان کے سامنے کسی عالم کا ذکر کیا گیا تو وہ فوراً ٹیک کو چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں کہ ہمارے سامنے کسی عالم کا ذکر ہو اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔

جبکہ امام جزریؒ فرماتے ہیں:

"ماخاصم وَرِعٌ قطُّ"[موسوعة ابن ابی الدنیا:٣٢٣/٤]

''متقی و زاہد انسان کبھی جھگڑا نہیں کرتا''

اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی اقتدا کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهِ﴾ [الأنعام: ٩٠]

''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، سو تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔''

کوئی شخص معصوم نہیں:

اس بات کو جان لیں کہ کوئی شخص معصوم نہیں الا یہ کہ جسے اللہ بچائے اور وہ محض انبیاء و ملائکہ ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے ذہنوں میں اس بات کو جاگزیں کر لینا چاہیے کہ عالم دین بھی دراصل انسان ہے اور اس سے خطا کا صدور بہرحال ممکن ہے۔ اگر وہ اجتہاد کرے اور اس میں درستی کو نہ پہنچے اور خطا کر جائے تو ہمیں اس کا عذر قبول کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم علماء و مجتہدین کی اخطاء علمیہ تلاش کرتے پھریں اور انھیں شمار کر کے فساد ڈالنے کی سعی کریں۔ سلف اس بات کو ہمیشہ اپنے ذہنوں میں راسخ رکھتے تھے اور اس کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے۔ امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

" ليس يكاد يفلت من الغلط أحد"

[شرح علل الترمذی:٣٩٩/١]

''غلطی سے کوئی شخص بچ جانے والا نہیں۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"ومن يعرى من الخطأ و التصحيف؟"

[معرفة انواع علوم الحديث:٣٨٣]

''خطا وتصحیف سے کون سلامت رہا ہے؟''

(حاشیہ: تصحیف سے مراد یہ ہے کہ الفاظ کو غلط ادا کرنا مثلاً سریج کو شریح پڑھنا)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

" لم يسلم من الخطأ والغلط كبيرُ أحدٍ من الأئمة مع حفظهم"

[العلل للترمذی:٧٤٦]

''بڑے بڑے محدثین کثرت حافظہ کے باوجود غلطی وخطا سے بچ نہیں سکے۔''

امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

" وليس من الإنصاف ترك حديث شيخ ثبت صحّت عدالته بأوهام يهم في روايته، ولو سلكنا هذا المسلك تُرك حديث الزهري، وابن جريج، والثوري، وشعبة،لأنهم أهل حفظ وإتقان، ولم يكونوا معصومين حتى لا يهموا في رواياتهم"[الثقات لابن حبان:٩٧/٧]

''یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ محض وہم کی بنا پر کسی بھی ایسے راوی کی روایت کو ترک کر دیا جائے کہ جو ثقہ ہو اور اس کی عدالت بھی ثابت ہو اگر ہم اس راستے پر چل نکلیں تو زہری، ابن جریج، ثوری، وشعبہ رحمھم اللہ جیسے ائمہ کی روایات کو بھی ترک کرنا پڑے گا، جو حفظ واتقان کے عظیم درجے پر ہیں۔ لیکن وہ بھی روایت میں معصوم نہیں۔''

علماء کے مابین اختلاف قیامت تک جاری رہے گا:

اس بات کا ادراک یقینی بنائیں کہ اختلاف عہد صحابہ سے لے کر تا روز قیامت جاری رہے گا۔اس لیے لازم ہے کہ ہم اپنے سینوں کو علماء کے اختلاف کے لیے کشادہ رکھیں۔ ہر عالم کا اپنا فہم اور دلائل پر اطلاع ہے۔ اسی طرح معاملات میں ہر ایک کا اپنا ایک مخصوص نظریہ ہے۔ چنانچہ اختلاف کا ہوجانا فطری عمل ہے۔ہمیں اس حوالے سے لکھی گئی کتب کو سامنے رکھنا چاہیے جیسا کہ شیخ الاسلام کی شہرہ آفاق کتاب "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" ہے تا کہ علماء کے اختلاف کے اسباب کو جان لیں اور پھر کسی فتنے کا شکار نہ ہوں اور نہ ہی علماء کے اختلاف پر کسی قسم کا برا رویہ یا طرزِ عمل اختیار کریں۔ بہرحال مذکورہ بالا کتاب میں شیخ الاسلام نے علماء کے مابین اختلافات کے مصنوعی عوامل ذکر کیے ہیں جن کا جاننا طلبہ علم کے لیے ضروری ہے تا کہ سوءظن یا شک سے بچا جائے۔

دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ رہیں:

جو لوگ اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کی تمام تر سازشوں سے خبردار ہوں لیکن ہم میں سے ہر ایک اپنی ذات یا نجی معاملات تک ہی محدود ہے جس کا سارا نقصان ہمارے دینی مسائل اور ذمہ داریوں پر پڑتا ہے۔لہٰذا ان کے مقاصد اور اغراض کا علم رکھیں اور علماء کے دفاع کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہیں۔ اس لیے کہ شعوری طور پر بیداری اور اسلام کی حفاظت ہمارا اولین مقصد ہونا ہے۔

علماء کے اقوال و آراء کو صحیح مقام پر رکھیں:

بجائے اختلاف اور ان میں موجود تنوع کو ہوا دینے کے، ہم پر لازم ہے کہ ان کی آراء واقوال کو، جس پس منظر میں وہ کہے یا پیش کیے گئے ہیں، اس پر محمول کریں۔ اسی طرح ان کے بارے میں سوءظن کا شکار بھی نہ ہوں اور نہ ہی ان اقوال کو لے کر واویلا کریں۔ وہ اپنی

جگہ مع الدلیل امکانِ صحت رکھ سکتے ہیں ۔عین ممکن ہے کہ ہماری نظر میں ایک عالم کا قول غلط ہو لیکن اس میں اصلاً وہ اسرا ر وحِکَم موجود ہوں جو ہماری ظاہری نظر سے پوشیدہ ہوں جبکہ اس عالم کو ان پر اطلاع ہو۔ یہ ایک الگ امر ہے کہ دوسرے علماء اس میں دلیل سے کلام کریں اور اس میں خطا وسہو کا نشاندہی کرتے ہوئے اس کا مرجوح ہونا ثابت کردیں۔ یہ بات یاد رہے کہ ہم پر ہر عالم کے قول کو اختیار کرنا لازم نہیں۔اس لیے کہ بسااوقات کسی عالم کے قول اور اس پر جرح کے مابین ایک بہت بڑا فرق ہوتا ہے جو دلیل سے واضح ہوتا ہے۔کسی ایک عالم کے قول پر عدم قناعت کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہم اس کی بے توقیری کو جائز قرار دے دیں اور اس کی غیبت کرنا شروع کردیں، امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے:

" إذا صحّ الحديث فهو مذهبی"

''جب کوئی صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔''

یہی بات متعدد علماء سے منقول ہے کہ وہ حدیث صحیح کو اپنا مذہب قرار دیتے تھے۔ وہ اس بات کا حقیقی ادراک رکھتے تھے کہ کوئی شخص کسی عالم دین کے قول کا پجاری نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ ممکن ہے اس کا قول ،دلیل کے مخالف ہو۔اس کے لیے یہ علت بھی بیان کی جاتی ہے کہ ممکن ہے اسے دلیل نہ ملی ہو۔لیکن اس سب کے باوجود عالم کی عزت وحرمت محفوظ رہتی ہے اور اس میں طعن یا اس کو بدنام کرنا ہرگز جائز نہیں۔سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں:

" لاتظنّ بكلمة خرجت من أخيك المسلم سوءاً وأنت تجد لها في الخير محملاً"[فتح المغيث:۲/۷٤]

''مسلمان بھائی کے ادا کردہ کلمہ کو بھی برا گمان نہ کرنا بلکہ اس کے لیے ہمیشہ بہترین محمل تلاش کرنا۔''

اپنے عیوب واخطاء سے واقف رہیں:

اپنے عیوب کا علم ہونا ایسا امر ہے جو دوسرے کے عیوب تلاش کرنے سے غافل کردیتا

ہے ۔اس لیے جو شخص اپنے عیوب کی اصلاح میں مگن ہوتا ہے تو وہ علماء تو کیا کسی عامی کے عیوب بھی تلاش نہیں کرے گا۔اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہمیشہ اس کے سامنے ہوتا ہے:

طوبیٰ لمن شغله عيبه عن عيوب الناس

[مسند البزار: ٦٢٣٧،اس حدیث کو ابن حجر نے حسن کہا ہے؛بلوغ المرام: ١٥١٠]

خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اپنے عیبوں نے دوسروں کے عیوب سے دور رکھا۔

شاعر نے اسی معنیٰ کو بیان کرتے ہوئے خوب کہا ہے:

يا واعظ الناس قد أصبحت متهما إن عبت منهم أمورا أنت تأتيها

وأعظم الإثم بعد الشرك نعلمه في كل نفس عماها عن مساويها

عرفتها بعيوب الناس تبصرها منهم ولا تبصر العيب الذي فيها

''اے لوگوں کو نصیحت کرنے والے تو خود متہم ہوجائے گا اگر تو ان میں وہ عیب تلاش کرے گا جو تجھ میں ہیں۔ کیونکہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ جسے ہم جانتے ہیں ہر نفس کے اندر پایا جانے والا گناہ ہے جو اسے اپنے جیسے سے اندھا کر دیتا ہے ۔تو نے لوگوں کے عیوب کو تو جان لیا جو تو ان میں دیکھتا ہے لیکن اس عیب کو نہیں دیکھا جو تجھ میں موجود ہے۔''

لہٰذا جو شخص خود کو بھول جاتا ہے اور علماء کی عزتوں سے کھیلتا ہے وہ شاعر کے اس قول کی طرح ہے:

كناطح صخرة يوما ليُوهنَها فلم يضرّها، وأوهى قرنه الوعل

''(وہ) چٹان کو کمزور کرنے کے لیے ایک دن اسے ٹکر مارنے والے کی طرح ہے جس کا وہ کچھ نہیں بگاڑ پایا (وہ گویا ایسے ہی ہے جیسے) پہاڑی بکرے نے اپنے

سینگ کو کمزور کردیا ہو۔''

ایک اور شاعر کا شعر ہے:

یاناطح الجبل العالي لیثلمه   أشفق علی الرأس لاتشفق علی الجبل

'' اے اونچے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے ٹکر مارنے والے! اپنے سر پر شفقت کر نہ کہ پہاڑ پر''

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عالم سہو کر جاتا ہے تو کیا ہم اس کے علم وعمل کو اس کی و کوتاہی کی بنا پر ترک کردیں گے!؟ شاعر نے ایسے عالم کی کیا خوب ترجمانی کی ہے:

اعمل بعلمي وإن قصرت في عملي   ینفعك علمي، ولا یضرّك تقصیري

''میرے علم کے مطابق عمل کرو اگرچہ میرا عمل کمی والا کیوں نہیں میرا علم تجھے نفع دے گا اور میری کمی وکوتاہی تجھے نقصان نہ دے گی۔''

اسی طرح اگر علماء کو ایک دوسرے کے عیوب کا علم ہو یا عوام کو کسی عالمِ دین کے عیب کا علم ہو تو اس کی پردہ داری کرے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص لوگوں کے عیوب سے غافل رہے اور جس چیز کے لوگ ظاہر نہ کرنا چاہیں وہ بھی اس پر زبان رکھے تو اس شخص کے اللہ پردے رکھتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے''

[الفواکه الشهیة: ج ۱ ص ۱۱۲]

ہمیشہ صحیح راستے کو اپنائیں:

علماء کی عزتوں کو پامال کیے بغیر وہ راستہ اپنائیں جو حق کی طرف لے جائے۔ آج کل لوگ بہت زیادہ افراط وتفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو علماء میں ہر وقت طعن کرتے رہتے ہیں، جب بھی علماء کوئی بات کرتے ہیں یہ ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جبکہ ایک فریق وہ ہے جو کسی نیک نیت طالب علم سے یا عالم سے دلیل کے ساتھ حق کو بیان کرتے

ہوئے سنتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ دیگر علماء (جو اس کے نزدیک درست ہوتے ہیں حالانکہ دلائل کی دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی،ان) کی عزت کو پامال کر رہا ہے یا فتنہ پروری کا سبب بن رہا ہے۔ اس مسئلہ میں یہ دونوں فریق سلف کے منہج سے ہٹے ہوئے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ وہ کون سا منہج ہے جو علماء کی عزتوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور ان کے منہ سے نکلنے والے حق میں تاثیر پیدا کرے بلکہ وہ دلیل کے ساتھ مزین بھی ہو؟ ذیل میں اس سوال کے جواب کے لیے چند رہنما اصول درج کیے جاتے ہیں:

علماء کی طرف منسوب اقوال کی صحت کی جانچ پڑتال:

علماء کے بہت سے اقوال بنا اعتراض کے عام ہوتے ہیں،تاہم ان کی تفتیش لازمی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات یہ صحیح نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ کتنے ہی ایسے اقوال وفتاوی ہوتے ہیں جن کو ہم سنتے ہیں اور صاحب فتویٰ کے پاس جا کر ان کی بابت دریافت کرتے ہیں تو وہ ان سے یکسر براءت کر لیتے ہیں حالانکہ یہ ان کے ناموں سے معروف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کسی عالم کے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں، دریافت کرنے پر وہ کسی اور عالم کی نجی مجلس کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ چنانچہ جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ فوراً اس سے انکار کر دیتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہرگز نہ کہا ہے اور نہ ہی سنا ہے۔ اس لیے علماء کی طرف جو بھی چیز منسوب ہوتی ہے اس پر حکم لگانے سے پہلے اس کی تحقیق وتفتیش کر لینی چاہیے۔ یہ منہجِ سلیم کا سب سے پہلا اصول ہے۔ بسا اوقات لوگ علماء کے اقوال کی بنیاد پر انہیں متشدد تصور کرتے ہوئے پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور بدنام کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ شیخ صالح العصیمی حفظہ اللہ اس قسم کے لوگوں سے متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''جب کوئی شخص کسی عالم کے بارے یہ کہے کہ وہ متشدد ہے تو ضروری ہے کہ ہم پہلے اس شخص کی علمی قابلیت جانیں کہ آیا وہ علماء پر حکم لگانے کا اہل بھی ہے یا

نہیں؛ یہی مومنوں کا طریقہ ہے''

[دروس و عبر: ١٤]

کسی عالم کے قول کو تسلیم نہ کرنے کا مطلب:

کسی عالم کے قول کو نہ لینا، اس کے مناقشہ کو قبول نہ کرنا اور اس کے بیانِ حق کو علی الاعلان تسلیم نہ کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم اسے طعن کا نشانہ بنالیں۔فتوی قبول نہ کرنا اور طعن کا نشانہ بنانا دو مختلف امور ہیں۔ یہ تو جائز ہے کہ ہم دلیل کی عدم موافقت کی بنا پر فتوی نہ لیں لیکن اس کی بنیاد پر علماء پر طعن ہرگز جائز نہیں ہے اور نا ہی یہ جائز ہے کہ علماء کے اقوال کو پوجنا شروع کردیں اور ان کو ادلہ شرعیہ کے بالمقابل بطورِ حجت لے کر پھرتے رہیں۔شیخ حماد الانصاریؒ فرماتے ہیں:

''یہودی اپنے علماء کا احترام نہیں کرتے تھے جبکہ عیسائی اپنے علماء کی عبادت کرتے تھے؛ مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ اپنے علماء کا احترام کریں مگر ان کی عبادت نہ کریں''

[المجموع: ٨٣٢]

کسی کے قول کو نقل کرتے وقت، مقصود رضائے الٰہی ہو:

عالم کے کلام کو نقل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی رضا کو سامنے رکھے۔جب وہ اخلاص کے پیش نظر کلام کو نقل کرے گا اور شخصی و عارضی اعتراض و مقاصد جیسا کہ ہوائے نفس کی پیروی اور غلبے کی چاہت وغیرہ سے دور ہو کر عالم کا کلام نقل کرے گا تو اس میں خیانت نہیں کرے گا۔ایسے ہی شخص کو ترغیب دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا" [الكهف : ١١٠] ''پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

ایسے شخص کو متنبہ رہنا چاہیے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اور رب سے ڈرتے ہوئے علماء کی کلام کو صحیح اور باحوالہ نقل کرنا چاہیے۔ اگر کوئی عوارض نفسانیہ یا مادی منفعت کا خیال آئے بھی تو اسے دور کرے اور ایسے مفسدات کو ہرگز آڑے نہ آنے دے جو نیت کو بگاڑ دیں اور فساد کا موجب بنیں۔امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

''علم کی برکت میں سے ہے کہ تم کسی بھی قول کو اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کرو''

[جامع بيان العلم وفضله: ج ٢ ص ١١٥]

عدل و انصاف پر مبنی رویہ اختیار کریں:

طالبِ علم یا کسی بھی عام شخص کو علماء کے اقوال کو نہ تو کلی طور پر اخذ کرنا چاہیے کہ وہ اس کی ہر بات کو فیصلہ کن سمجھ لے اور نہ ہی ہر بات کو رد کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے ہاں آج کل ہوتا ہے۔ بلکہ عدل و انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے دلیل کا ساتھ دے۔ نیز اس کے قول میں سقم کی بنا پر اس سے دشمنی یا ناپسندیدگی کے جذبات پیدا نہ کرے،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى"

[المائده : ٨]

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''

دراصل عدل و انصاف ہی اہل السنہ والجماعۃ کا منہج قویم ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اہل السنہ ہی تو بدعتیوں کے ساتھ بہ نسبت ان کے اپنے جیسے بدعتیوں کے عدل سے پیش آتے ہیں۔ بلکہ علماء کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ خود منہجِ سلف پر کاربند رکھنے کی ہر ممکن سعی کریں۔شیخ صالح الفوزانؒ فرماتے ہیں:

''اگر آپ نجات اور سعادت کا حصول اور گمراہی سے بچنا چاہتے ہیں تو منہجِ سلف کو لازم پکڑیں''

[شرح الدرر المضية: ص ٢٧٩]

منہجِ سلف پر عمل پیرا ہونے کے اعتبار سے عدل و انصاف کے کچھ تقاضے ہیں۔ اول تو یہ کہ علماء کی بقدر اہلیت و صلاحیت تعریف وتوصیف کی جائے۔ دوم یہ کہ اگر کسی عالم دین سے کسی خطا کا صدور ہوجائے تو اس سے درگزر کیا جائے۔ اگر کوئی عالم خطا کا شکار ہوجائے اور آپ اس خطا کو اس پر واضح کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس کی تمام اخطاء وتسامحات کو اکٹھا نہ کریں بلکہ اس مخصوص مسئلہ میں جو اسے خطا لاحق ہوئی ہے اسے واضح کریں، نیز حد سے تجاوز ہرگز مت کریں اور نہ ہی کسی کو حد سے بڑھنے کا موقع دیں۔

علماء کی اصلاح محدثین کے منہج پر کریں:

جو شخص کسی عالم کی خطا پر اسے تنبیہ کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ حکمت بھرے انداز سے اس خطا کی نشان دہی کرے اور محدثین جیسا طرز عمل اختیار کرے۔ یہ منہج حد درجہ عدل و انصاف پر مبنی ہے جس پر علماء نے کافی کچھ لکھا ہے بالخصوص شیخ احمد الصویان کا شہرہ آفاق رسالہ " منهج اهل السنه والجماعه فى تقويم الرجال ومؤلفاتهم " ہے جس کا مطالعہ علماء وطلبہ کے لیے از حد مفید ہے۔ اس میں انھوں نے عدل و انصاف پر مبنی ضروری طریقوں کا ذکر کیا ہے تاکہ علماء کے سہو وتسامحات پر ان کی اصلاح ہمدردانہ اور ناصحانہ طرز عمل سے کی جائے۔

علماء کی اخطاء کا علم ہونا:

اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو عالم کی خطا یا تسامح کے محل کا علم ہو۔ عام طور پر خطا کے محل دو ہوتے ہیں: فروع میں یا اصول میں۔

جہاں تک اول کا تعلق ہے تو یہ عام طور پر اجتہادی مسائل ہوتے ہیں جن میں خطا

کا ہو جانا اور اختلاف ہونا معمول ہے۔ اس میں اگر کوئی عالم غلطی کر لے تو اس کی خطا واضح کر دی جائے گی۔ جبکہ اس پر کسی قسم کا طعن نہیں ہوگا اور نہ ہی مجادلہ و حجت بازی ہوگی۔

رہا دوسرا محل تو یہ اعتقادی ہوتا ہے جس میں اسی طرح صحیح قول واضح کیا جائے گا۔ اگر وہ اہل بدعت کا موقف ہے تو اس کو ڈرایا بھی جائے گا اور اس کی بدعت کے ممکنہ نقصانات بھی واضح کیے جائیں گے، بشرطیکہ کسی قسم کی افراط وتفریط کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ عام طور پر اہل بدعت ایک دوسرے کی غیبت کرنے میں بہت آگے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا حق غصب کر لیتے ہیں جبکہ اہل السنہ وہ تو کفار سے بھی انصاف کرتے ہیں، چہ جائیکہ کوئی کفر دون کفر کی خطا کا شکار ہو۔ بعض لوگ اہل السنہ کے طریقہ سے اس قدر ہٹ جاتے ہیں کہ اس باب میں وہ متشدد ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسے واقعات بھی سننے کو ملتے ہیں کہ یہ لوگ داعی حضرات کے بارے میں اس قدر گھٹیا الزامات عائد کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ بلکہ عقائد میں ان پر غلطی کا اتہام لگا کر ان کی آل و اولاد اور اہل وعیال تک پر طعن کرتے ہیں۔ یہ چیز کیا ہے کہ جس نے انھیں اس قدر قبیح فعل پر ابھارا کہ انھوں نے ان کی زوجات و بنات پر بھی اتہام طرازی کی؟ حق تو یہ ہے کہ ہم انھیں دعوت میں اصلاح کرنے کی ترغیب دیں اور حق کے بیان اور خطا کی نشان دہی میں صحیح اسلوب اختیار کریں۔ لیکن افسوس کہ ایسا ہو نہیں رہا، اللہ ہمیں اس سے بچنے کی توفیق دے۔

خود عالم سے مل کر اس کی خطا کی نشاندہی کریں:

اس لیے کہ اگر مل کر خطا کی طرف نشاندہی کر دی جائے تو اس سے بہتر کچھ نہیں۔ عالم خواہ اصول میں خطا کا شکار ہوا ہو یا فروع میں۔ اگر آپ اسے مل کر درستی کی طرف لا سکتے ہیں تو یہ دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ خطا کرنے والے عالم کے رجوع میں لوگوں کے لیے اور خود اس کے لیے خیرِ کثیر ہے۔ اگر آپ اُس کے موقف کا خوش اسلوبی سے ردّ کریں اور اس پر حق واضح کریں تو آپ نصف لوگوں کو بچا لیں گے۔ اور اگر وہ خود آپ کی خیر خواہی پر

اپنے موقف سے رجوع کر لیتا ہے تو پھر یہ اور بھی بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ وہ تمام لوگوں کے سامنے اپنے موقف سے رجوع کا اعلان کر کے انھیں بھی بچا لے، جو اس کے قول پر کاربند ہو چکے تھے۔ یہ علماء کی نصیحت اور ان کی خیرخواہی ہے کہ انہیں ادب واحترام کے ساتھ ان کی اخطا پر مطلع کیا جائے۔ شیخ صالح عثیمینؒ فرماتے ہیں:

من النصيحة للعلماء انك اذا رايت منهم خطأً فلاتسكت وتقول هذا اعلم منى بل تناقش بادب واحترام لانه احيانا يخفىٰ على الانسان الحكم فينبهه من هو دونه فى العلم فينتبه وهذا من النصيحة للعلماء [شرح الاربعين النووى:١١٩/١]

علماء کی خیرخواہی میں یہ بات شامل ہے کہ آپ جب ان میں کسی خطا کو دیکھیں تو خاموش نہ رہیں اور یہ نہ کہیں کہ یہ مجھ سے زیادہ عالم ہے، بلکہ ادب واحترام سے بحث کریں کیونکہ کبھی کبھار انسان پر حکم مخفی ہوتا ہے تو اس سے کم تر اسے متنبہ کرتا ہے اور یہی علماء کی خیرخواہی ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اگر دو علماء کسی مسئلہ میں اختلاف کر لیں تو ان میں سے ہر ایک، دوسرے کو لوگوں کے سامنے غلط نہ کہتا پھرے بلکہ دلائل کا سہارا لے کر ایک دوسرے سے احسن طرز عمل اختیار کرتے ہوئے مناظرہ کریں۔ اور جب اختتام فیصلہ کن ہو تو جس کا قول درست ہو دوسرا بھی اسے اختیار کر لے۔ کیونکہ مقصود ومطلوب تو دونوں کا حق ہی ہے۔ پس جس سے بھی حق ملے باقی اسے قبول کر لیں۔

ꝏꝏꝏꝏ

نصیحتیں

آخر میں کچھ امور جو علماء و عوام کے حوالے سے یکساں مناسبت اور ضرورت رکھتے ہیں، اور ان کا ہمارے موضوع سے تعلق ہے، طوالت کے ڈر سے ان کو بالاختصار ذکر کیے دیتے ہیں:

☆ یہ یاد رکھیں کہ ہم اپنی دعوت کو علماء یا اشخاص کی تقدیس میں محصور نہیں سمجھتے۔ ہم نہ ہی اشخاص کی طرف پکارتے ہیں اور نہ ہی یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اخطا پر خاموشی اختیار کر لی جائے اور حق کو چھپالیا جائے۔ بلکہ ہمارا منشور اور منہجِ صحیح یہ ہے کہ حق کے بیان میں ہردم کوشاں رہیں۔ البتہ علماء کی عزتوں کو نہ تو پامال ہونے دیں اور نہ ہی غلو و جفا کا شکار ہو کر خطا کریں اور افراط و تفریط میں پڑے رہیں۔

☆ یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رکھیں کہ اجماع کا دعویٰ محض ماضی میں تھا جو گزر چکا۔ بیسیوں لوگ اور طلبۂ علم ایسے ملتے ہیں جو یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ فلاں عالم نے اجماع کی مخالفت کی ہے یا فلاں نے مجمع علیہ و متفقہ امر کو توڑ دیا ہے اور یہ جتلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس عالم نے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بارے میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ اجماع کوئی عام بات نہیں۔ یہ تو امت کے معتمد علماء کا ایک خاص زمانے میں کسی مسئلے پر اتفاق کر لینا ہے۔ اگر اسی دور میں کوئی مخالفت کرے تو اجماع میں نقض ہوگا، لیکن اس کے لیے کچھ مخصوص شرائط و ضوابط ہیں۔ آج کل اجماع کا توڑنا کوئی معمولی امر نہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ خواہ مخواہ اجماع کی مخالفت کو دلیل بنا کر علماء پر

بہتان طرازی نہ کریں بلکہ معاملات و مسائل کی حقیقت پر غور کریں۔

☆ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مفتی مخصوص اسباب کی بنا پر فتوی دیتا ہے اور وہ اسباب صرف اس کے پیش نظر ہوتے ہیں جبکہ دیگر علماء و طلبہ چونکہ ان اسباب سے بے خبر ہوتے ہیں لہٰذا اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس پر لعن وطعن کرتے ہیں۔ بلکہ فتنہ بھڑکانے والا شمار کرتے ہوئے عزت و جاہ کا دلدادہ، قلیل العلم وغیرہ جیسے الزامات اس پر عائد کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور مایوس کن ہے۔ اس جیسا رویہ اختیار کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ہم چند امور کو پیش نظر رکھیں:

اول: یہ کہ ہر شخص کی بات رد کی جاسکتی ہے ماسوائے رسول اللہ ﷺ کے، کیونکہ ان کی ہر بات پر عمل ضروری ہے۔

دوم: یہ کہ مخالفین بھی علماء ہیں اور وہ شخص بھی عالم ہے۔ پس اِس ایک طبقہ کی موافقت میں اُس عالم کی عزت و تقدیس کو ہرگز پامال نہ کیا جائے بلکہ اس کی عزت وتکریم کی حفاظت کی جائے۔

سوم: یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ فتوی کی صحت کی تمام تر شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ مکمل ہیں تو قطع نظر اس بات سے کہ فتوىٰ درست ہے یا نہیں، ہمیں غور وفکر سے کام لینا چاہیے۔ ایک اہم بات اس ضمن میں یہ بھی ہے کہ اجتہادی مسائل میں اجتہاد کرتے ہوئے اختلاف ہو جانا معمولی بات ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوا کہ: " لايصلّينّ أحدكم العصر إلا في بني قريظة"[بخاري، كتاب صلاة الخوف، باب صلاة الطالب و المطلوب راكباً و إيماء : ٩٤٦] کا صحیح محل اور اس سے نبی کریم ﷺ کی مراد کیا ہے؟ پس دو گروہ بن گئے لیکن نبی اکرم ﷺ نے کسی پر گرفت یا انکار نہ فرمایا۔

☆ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی اختلاف ہوا لیکن اختلاف بھی طعن یا

عزتوں کی پامالی تک نہ پہنچا اور نہ ہی فتنے کا سبب بنا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس طرح کے مسائل میں ہم اپنے دلوں کو تنگ نہ کریں بلکہ اپنے سینوں کو اجتہادی مسائل میں اختلاف کی صورت میں وسیع رکھیں۔

☆اس سلسلے میں آخری چیز یہ ہے کہ مخالفت کرنا ہرگز غلطی نہیں۔ اس لیے چھوٹے یا بڑے کی مخالفت کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں۔ اگر اعتبار ہے تو فتوی کی شروط کا ہے۔ عہدِ سابق میں چھوٹے بڑے کے مابین مخالفت ہوتی رہتی تھی اور بسا اوقات حق بھی چھوٹے ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ابن تیمیہؒ نے صِغر سنی میں اپنے شہر کے کبار علماء سے متعدد اختلافات کیے جن میں وہ حق پر تھے۔ اسی طرح عصر جدید میں مشہور عالمِ عرب اور مفتی دیار فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے بزرگ عالمِ جلیل محمد بن ابراہیمؒ کی زندگی میں ان کے فتویٰ کی مخالفت کی۔ نہ تو شیخؒ نے اس پر ان کو کچھ کہا اور نہ ہی لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنے بڑے عالم دین کی مخالفت کی ہے، بلکہ دلیل کی وجہ سے ان کی رائے کو ترجیح دی۔ یہ چیز ان حضرات کے راسخ العلم ہونے کی دلیل ہے۔

☆علماء کی اخطاء کا عام لوگوں کی نسبت زیادہ معروف ہوجانا معیوب نہیں۔ اس لیے کہ علماء ہی امت کا نچوڑ اور زبدہ ہوتے ہیں۔ یہ وہ بہترین طبقہ ہے جو دراصل امت کے لیے نمونہ اور قدوہ ہوتا ہے۔ ان سے اگر خطا ہوجائے تو وہ بہت ہی واضح ہوتی ہے، اس لیے کہ سفید کپڑے پر نکتہ بھی واضح نظر آتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عالم کسی کمی یا کوتاہی کا مرتکب ہوتو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اس بنا پر اس کے علم وعمل سے فیض حاصل کرنا ترک کردیں۔ یہیں سے علماء کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ خود کو بالکل پاک صاف رکھیں اور اپنے اعمال و تصرفات اور اقوال میں حددرجہ حساس رہیں، تاکہ لوگوں کو ان کے اوپر انگلی اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے اور نہ ہی وہ ان کے بارے میں کوئی پروپیگنڈہ کرسکیں۔

☆علماء ایسی مذمت سے بچنے کی کوشش کریں جو مدح کے مشابہ ہو۔ بعض لوگ اپنے

کسی عالم یا شیخ کی ثنا میں عجیب طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور ان کے فضائل و محاسن اور القابات کو ذکر کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اس معاملہ میں شیخ میں ذرا غفلت ہے۔ یہ طریقہ دراصل مذمت کا ہے مدح کا ہرگز نہیں۔ اس سے اصلاً تنقیص مطلوب ہوتی ہے جسے یہ لوگ مدح کے لفظوں میں پروتے ہیں۔ اسی طرح وہ کئی اور بھی مذمت کے اسالیب اختیار کرتے ہیں جو ظاہراً تعریف لگتی ہے۔ان سے بچنا ضروری ہے بلکہ عالمِ دین خود اس قسم کا اسلوب اختیار کرنے والوں کو منع کردے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

☆عوام الناس سے گزارش یہ ہے کہ وہ ایسے طریقے سے علماء کی مذمت ہرگز نہ کریں اور نہ ہی ان کی کمی و کوتاہی کو نشانہ بنا کر ان کی عزتیں پامال کرتے پھریں۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتے کہ جو بات وہ بڑی آسانی اور خوش اسلوبی سے کہہ جاتے ہیں اس کا بعدازاں کس قدر ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے اور علماء کی تنقیص پر ان سے معذرت کرنی چاہیے۔

☆علماء کے ساتھ بڑے ادب سے پیش آنا چاہیے کیونکہ اس کا بہت جلد بدلہ مل جاتا ہے۔اگر ایسا نہیں کریں گے تو آپ خوہ کتنے بڑے عالم ہیں اسی جیسا سلوک آپ کے ساتھ بھی ہوگا۔ مثال کے طور پر حافظ ذہبیؒ نے امام ابن حزمؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

"وصنف كتباً كثيرة، وناظر عليه، وبسط لسانه و قلمه، ولم يتأدب مع الأئمة في الخطاب، بل فجج العبارة، و سب و جدع فكان جزاء من جنس فعله، بحيث إنه أعرض عن تصانيفه جماعة من الأئمة و هجروها، ونفروا منها، أحرقت في وقته."

[سیر اعلام النبلاء: ١٨/ ١٨٦]

''انھوں نے بہت سی کتب تصنیف کیں اور مناقشے کیے اور اس طرح ان کی زبان وقلم دونوں کام کرتے رہے، لیکن امام موصوف خطاب میں ائمہ کا ادب نہیں

کرتے تھے بلکہ عبارات میں سختی کا مظاہرہ کرتے اور بسا اوقات کلام بد اور غیر سنجیدگی کا مظاہرہ بھی کرتے۔ جس کا نتیجہ ان کے ساتھ ویسا ہی پیش آیا جیساوہ کرتے تھے کہ علماء کی کثیر تعداد نے ان کی کتب سے اخذ و استفادہ کرنا ترک کردیا اور ان سے اعراض کرلیا حتی کہ بعض نے تو ان کے دور میں ہی ان کی کتابوں کو جلا دیا تھا۔''

ابن حزمؒ اپنی مثال آپ ہیں اور مسلکِ ظاہریہ کے پیشرو اور امام ہیں، بلکہ اصول وفروع کی ابحاث ان کی کلام یامناقشے کے بغیر نامکمل تصور کی جاتی ہے،لیکن اس سب کے باوجود ان کے اس طرزِعمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو علماء پر جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے وہ عام وخاص سب کے سامنے سوالیہ نشان ضرور بن جاتا ہے۔

امام ابن رجب حنبلیؒ اس سے تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والواقع يشهد بذلك، فإن من سبر أخبار الناس وتواريخ العالم، وقف على أخبار من مكر بأخيه، فعاد مكره عليه، وكان ذلك سببا لنجاته وسلامته."[الفرق بين النصيحة والتعبير:٢٧]

''حالات اس بات پر گواہ ہیں کہ اگر آپ لوگوں کی اخبار اور تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جس شخص نے اپنے کسی بھائی کے خلاف مکر کیا ہوگا یا کوئی چال چلی ہوگی تو وہ اس پر ضرور واپس پلٹے گی یوں پہلے انسان کے لیے وہ نجات اور سلامتی کا ذریعہ بھی بن جائے گی۔''

☆خاص طور پر ان علماء وطلبہ کے لیے جو لوگوں کے طعن وتشنیع میں مبتلا ہو کر تختۂ مشق بنے رہتے ہیں، یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ صبر کریں اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں۔اس بات پر ان کا یقین کامل ہو کہ وہ انبیاء ومرسلین سے ہرگز افضل نہیں، جنھیں نہ تو کلامِ بد سے ایذاء دینے سے محفوظ رکھا گیا اور نہ ہی ان کے اہل وعیال کو چھوڑا

گیا۔ اس معاملے میں علماء کے لیے انبیاء اسوہ ہیں۔ لہٰذا علماء کو چاہیے کہ وہ اس بات پر کامل یقین رکھیں کہ اچھا انجام تو محض اللہ کے نیک اور متقی بندوں کا ہے، جیسا کہ یوسفؑ نے فرمایا تھا:

﴿قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

[يوسف : ٩٠]

''انھوں نے کہا: کیا یقیناً واقعی تو ہی یوسف ہے؟ کہا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، یقیناً اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو ڈرے اور صبر کرے تو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اور جیسا کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [الاعراف : ١٢٨]

''اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بناتا ہے اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔''

نیز مکار و خائن لوگوں کے انجام پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا﴾ [فاطر : ٤٣]

''زمین میں تکبر کی وجہ سے اور بری تدبیر کی وجہ سے اور بری تدبیر اپنے کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں گھیرتی۔ اب یہ پہلے لوگوں سے ہونے والے طریقے کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ پس تو نہ کبھی اللہ کے طریقے کو بدل دینے کی کوئی

صورت پائے گا اور نہ کبھی اللہ کے طریقے کو پھیر دینے کی کوئی صورت پائے گا۔''
شاعر نے اس کی بہت ہی بہترین عکاسی کی ہے:

ولست بناجٍ من مقالة طاعن ولو كنت في غار على جبل وعر
ومن ذا الذي ينجو من الناس سالما ولو غاب عنهم بين خافيتي نسر

''آپ کسی طعن کرنے والے کے کلام سے ہرگز نہیں بچ سکتے اگرچہ آپ کسی سخت پہاڑ کی غار میں ہی کیوں نہ چھپے ہوں۔ لوگوں سے کون سا شخص صحیح سلامت رہ سکتا ہے اگرچہ وہ ان سے گدھ کے دو پروں کے درمیان بھی جا کر چھپ جائے۔''

☆ عمومی الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کریں۔ بہت سے لوگ اس امر کی خطرناکی کو جانے بنا، کہ سب کو ایک ہی کٹہرے میں کھڑا کرنا کتنا نقصان دہ ہے، تمام علماء کی عام لفظوں میں توہین کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ علماء نے یہ کہا، علماء نے یہ کیا یا علماء نے یہ غلطی کی وغیرہ۔ حالانکہ اچھے امور میں تو وہ سب علماء کو اکٹھا ذکر نہیں کرتے۔ پھر محض کسی ایک کی خطا یا غلط موقف پر سب کو یکسر نظر انداز کر کے برا بھلا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے اور عذاب خاص بلکہ اس کی رحمت سے تو نیک و صالح لوگوں کے درمیان بیٹھنے والا بھی بخشا جاتا ہے، اگرچہ وہ ان میں سے نہ ہو، جیسا کہ فرمایا: "هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ "[مسلم: ٢٦٨٩] یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی مجلس میں بیٹھنے والا بھی نامراد نہیں رہتا''۔ اس لیے رحمت وخیر سے معاملات سلجھائے جائیں نہ کہ سختی اور درشتی سے پیش آئیں۔

☆ آخر میں محض یہ عرض ہے کہ جو لوگ علماء کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور ان کے خلاف پروپیگنڈے کرتے ہوئے انھیں مطعون ٹھہراتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے رب سے توبہ کریں۔ جس قدر انھوں نے علماء کی غیبت کی ہے اس قدر معذرت کر کے ان کی تعریف و ثنا کریں۔ وگرنہ یہ معاملہ ازحد خطرناک اور اعمال صالحہ کو تباہ برباد

کرنے والا ہے جس کا انھیں احساس تک نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس معاملہ میں راہِ اعتدال پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری سیئات سے درگزر فرماتے ہوئے نیک امور میں مسابقت کی قوت اور استطاعت نصیب فرمائے۔آمین


خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝
دفاعِ اہلِ حق
تصنیف: یاسر فاروق